قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۹، ۱۰

رمضان وشوال: ۱۴۴۶ھ - اپریل: ۲۰۲۵ء

قیمت شمارہ ہذا: ۱۰۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر/مُدیرِمسئول

مولانا سیّد سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیرِمعاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ : 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ!	۳	محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوریؒ بنام حضرت بنوریؒ	۱۰	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن ... تعارف اور مقصد	۱۵	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
مساجد کی اہمیت اور ائمہ کرام کی ذمہ داریاں!	۱۹	ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری
ائمہ کرام اور ارکانِ مسجد کمیٹی سے چند گزارشات اور نصائح	۲۶	مولانا امداد اللہ یوسف زئی
ائمہ، مؤذنین، خدامِ مساجد کا مقام اور مسلم سماج	۳۱	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
تدبّرِ قرآن اور اسلافِ اُمت	۳۵	مولانا محمد یاسر عبداللہ
حق تعالیٰ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ	۴۱	مولانا محمد شعیب احمد
درجاتِ تخصُّص ... مطلوبہ استعداد، اہداف اور راہنما امور	۵۵	مولانا عبداللہ نجیب
سلفِ صالحین کی اللہ کے سامنے آہ و بکا	۶۶	مولانا محمد راشد شفیع
عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط (قسط: ۳)	۷۰	مولانا ارشاد احمد سالارزئی

دار الافتاء

کیا پاکستان اور سعودیہ میں الگ الگ لیلۃ القدر ہوگی؟	۷۹	ادارہ
روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانے کا حکم	۷۹	
امتحان کی وجہ سے روزہ چھوڑنا، مسواک اور بلغم حلق میں اُتر جانا	۸۰	
کیا نفلی روزہ توڑنے سے قضا واجب ہوتی ہے؟	۸۱	

نقد و نظر

المنتخبات من جامع الترمذي ... فکرِ امام شاہ ولی اللہؒ نمبر	۸۲	ادارہ
إمداد الكياسة بتقطيع ديوان الحماسة ... مسجدِ اقصیٰ		
فضائلِ صحابہؓ، تاریخ الحرمین والقدس، عظمتِ صحابہؓ اور حضرت مدنیؒ		

رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ!

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بشریت کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں، کبھی نفسانی خواہشات کی راہ سے اور کبھی عدوِ مبین شیطان لعین کے فریب وتلبیس کی راہ سے اور کبھی شیاطین الانس (انسانی شیطانوں) کے وساوس اور غلط ماحول کے برے اثرات سے، لیکن ارحم الراحمین کی رحمتِ کاملہ قدم قدم پر اس کمزور فطرت انسان کی برابر دستگیری فرماتی رہتی ہے۔ عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پھر عقل کی رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ورسالت اور آسمانی تعلیمات کا نظام جاری فرمایا اور اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے تو اس رحمتِ کاملہ کے مظاہرِ رحمت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ عبادت وعبودیت کے مظاہر، (افعال واعمال) میں انتہائی تیسیر وتسہیل (سہولت اور آسانی) اور پھر اس عبادت پر بے کراں اجر وثواب اور قدم قدم پر قبولیت اور رضامندی کی بشارتیں، انہی بے کراں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ماہِ رمضان المبارک ہے، جو سرتاپا ماہِ رحمت ہے اور ماہِ برکت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخوں میں خطبہ دیا اور فرمایا:

’’اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جس میں ا:- ایک رات (شبِ قدر) ایسی ہے کہ اس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

۲-اس مہینہ کے دنوں میں روزے فرض ہیں اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھنا بہت زیادہ باعثِ خیر و برکت ہے۔ ۳-اس مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ ۴-اور فرض کا اجر وثواب ستر گنا ملتا ہے۔ ۵-یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ ۶-مسلمانوں خصوصاً فقراء کے ساتھ مواسات و ہمدردی کا مہینہ ہے۔ ۷-مومن کا رزق اس مہینہ میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے۔ ۸-ایک روزے دار کا روزہ افطار کرانے والے کے بہت سے گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے رہائی نصیب ہوتی ہے اور خود اس روزہ دار کو اپنے روزہ کا ثواب الگ ملتا ہے اور لطف وکرم یہ ہے کہ روزہ دار کا ثواب بالکل کم نہیں ہوتا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ روزہ کی یہ افطاری چاہے دودھ کی لسی ہو یا ایک کھجور کا دانہ یا پانی کا ایک گھونٹ ہو۔ ۹-کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کے صلہ میں حوضِ کوثر سے وہ سیرابی نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ ۱۰-اس مہینہ کا پہلا عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، درمیانی عشرہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے رہائی کا پیغام ہے۔ ۱۱-جس روزہ دار نے اپنے غلام (یا نوکر یا مزدور) کا بوجھ ہلکا کردیا اس کے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے۔‘‘

(مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، ص:۱۷۳، ط: قديمي)

احادیثِ نبویہ میں ماہِ رمضان کے فضائل و برکات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کے بیان کرنے کی ان صفحات میں گنجائش نہیں، اسی ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ولیِ کامل بنانے کا آسمانی نسخہ

ماہِ رمضان درحقیقت مومن کو ولیِ کامل بنانے کا ایک عجیب آسمانی نسخہ ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

’’اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ‘‘

(یونس: ۶۲، ۶۳)

’’یاد رکھو! بلاشبہ اللہ کے ولی اور دوست وہ ہیں جن کو نہ کوئی خوف (ودہشت) ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی- جو ہر خوف وغم سے آزاد ہوتا ہے- ہر وہ شخص ہے جس میں یہ دو وصف موجود ہیں: ۱-ایمان اور ۲-تقویٰ، گویا کمالِ تقویٰ کا دوسرا نام ولایت ہے۔ اس ارشادِ گرامی کے بعد حسبِ ذیل آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو:

’’یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ‘‘ (البقرۃ:۱۸۳)

’’اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی اُمتوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں حصولِ تقویٰ کا ذریعہ روزے کو قرار دیا ہے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف نتیجہ نکلا کہ روزہ ولی اللہ بننے کا وسیلہ ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ

اب ذرا غور فرمائیں! روزہ رکھنے سے تقویٰ کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا ایک فرض حکمِ خداوندی کی تعمیل ہے، روزہ رکھنے سے منہیات (ممنوع کاموں) اور برائیوں سے اجتناب میسر آئے گا۔ برائیاں کچھ تو ایسی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے، کچھ کا تعلق پیٹ سے ہے، کچھ کا تعلق شرمگاہ سے ہے اور ان سب کا تعلق نفسِ انسانی کی خواہشات سے۔ نفسانی خواہشات بھی مختلف قسم کی ہیں: کچھ خصلتیں تو انسان میں درندوں کی ہیں: دوسروں کو مارنا، پیٹنا، توڑنا، پھوڑنا اور غیظ وغضب کے تقاضوں کو پورا کرنا۔ کچھ خاصیتیں جانوروں کی ہیں: شکم پروری، تن پروری، کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے مشاغل اور اس کے نتیجہ میں حوائجِ ضروریہ۔ کچھ نفسیاتی تقاضے شرم گاہ سے متعلق ہیں جن کو ہم عرف میں نفسانی خواہشات کہتے ہیں۔ یہ تینوں نفسانی قوتیں اور ان کی خواہشات جب تک قابو میں نہ آئیں‘ تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے اور تمام علماء اخلاق کا کہنا بھی یہی ہے کہ ان تینوں قوتوں کی تہذیب واصلاح‘ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ ہوجائے، یعنی ان کا رُخ صحیح ہوجائے، ان کا استعمال بروقت اور برمحل ہو، بے جا اور ناوقت استعمال اور غلط راہ روی سے کلی طور پر اجتناب ہوجائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حکماء وعقلاء میں ہمیشہ سے چند اُصولی اُمور پر اتفاق رہا ہے: ’’۱-تقلیلِ طعام (کم خوری)، ۲-تقلیلِ کلام (کم گوئی)، ۳-تقلیلِ منام (کم خوابی)، ۴-تقلیلِ اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا)۔‘‘

ماہِ رمضان کے روزے ان تینوں مقاصد کو پورا کرتے ہیں: روزہ دار کو ۱:-دن میں طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پورا کرنے سے بالکل روک دیا گیا ہے۔ ۲:-رات میں تراویح، قیامِ لیل، شب بیداری کے ذریعہ نیند پر کنٹرول کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ ۳-تلاوتِ کلام اللہ

اور ذکراللہ واستغفار کی کثرت کی ترغیب دے کر قلتِ کلام (کم گوئی) کی تدبیر کی گئی ہے۔ ۴-رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کو مسنون قرار دے کر لوگوں سے کم ملنے جلنے اور بلاضرورت میل جول ترک کرنے کی عادت پیدا کرنے کی تدبیر کی گئی ہے۔

پورے ایک ماہ یہ ریاضت کرانے کا مقصد یہی ہے کہ یہ خصلتیں مستقل عادات واخلاق بن جائیں، چنانچہ پورے تیس دن سحری کا حکم دے کر سحر خیزی کی عادت ڈالی جاتی ہے اور پورے ایک ماہ تراویح کا حکم دے کر شب میں کثرت سے نفلیں پڑھنے کی عادت ڈالنا مطلوب ہے۔

یہی روزہ کے مقاصد ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے حسبِ ذیل ارشاداتِ عالیہ کامل غور وفکر اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور ان پر عمل کیجئے:

❶-’’من لم يَدَعْ قولَ الزورِ و العملَ بهٖ فليس لله حاجةٌ في أن يَّدَعَ طعامَهٗ وشرابَهٗ.‘‘

(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور و العمل به، ج:۱، ص:۲۵۵، ط: قديمی)

’’جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹے (بڑے) کام کرنے نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑے (جب روزہ کا مقصد پورا نہیں کرتا تو بھوکا پیاسا مرنے کی کیا ضرورت ہے؟)۔‘‘

❷-’’وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولايصخب، فإن سابَّهٗ أحدٌ فليقل إني صائم.‘‘

(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم؟، ج:۱، ص:۲۵۵، ط:قديمی)

’’اور جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو اس کو نہ کوئی بےشرمی وبےحیائی کی بات کرنی چاہیے اور نہ شوروشغب کرنا چاہیے۔ اگر اس سے کوئی سخت کلامی یا گالم گلوچ یا ہاتھا پائی کرے تو اس کے جواب میں بس اتنا کہہ دے میرا روزہ ہے۔‘‘

❸-’’كم من صائم ليس لهٗ من صيامهٖ إلا الظمأ و كم من قائم ليس لهٗ من قيامهٖ إلا السَهر.‘‘

(سنن الدارمي، كتاب الصوم، باب في المحافظة على الصوم، ج:۲، ص:۳۹۰، ط:دار الكتاب العربي)

’’بہت سے روزہ دار ہیں جن کے روزہ کا حاصل بجز بھوک پیاس کی مصیبت جھیلنے کے اور کچھ نہیں اور کتنے ہی راتوں کو نماز پڑھنے والے ہیں جن کی نمازوں کا حاصل بجز مفت کی جگائی کے کچھ نہیں۔‘‘

❹- ’’ليس الصيام من الأكل والشرب ، إنما الصيام من اللغو والرفث، فإن سَابَّكَ أحدٌ أوجهل عليك فقل: إني صائم.‘‘ (صحيح ابن خزيمة، كتاب الصيام، باب النهي عن اللغو في الصيام، ج:٣، ص:٢٤٢، ط:المكتب الإسلامي، بيروت)

’’روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے اور بچنے کا نام نہیں، روزہ تو حقیقت میں صرف بے ہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے رُکنے اور بچنے کا نام ہے، پس اگر کوئی تمہیں گالی دے یا تمہارے ساتھ بد تمیزی کرے تو تم کہہ دو! میاں! میرا روزہ ہے۔‘‘

❺- ’’رُبَّ صائمٍ ليس لهٗ من صيامهٖ إلا الجوع.‘‘

(سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، ص:١٢١، ط: قديمی)

’’بہت سے روزے دار ہوتے ہیں جن کے روزوں کا حاصل بھوکے مرنے کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

❻- ’’ من لم يدَعِ الخنا و الكذب فلا حاجة لله أن يدعَ طعامَهٗ وشرابَهٗ.‘‘

(المعجم الأوسط للطبراني، ج:٤، ص:٦٥، ط: دار الحرمين، قاهرة)

’’جو روزہ دار فحش کام (گالی گلوچ، بے شرمی کی باتیں) اور جھوٹ نہیں چھوڑتا، اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔‘‘

❼- ’’الصيام جُنَّةٌ مالم يخرقها قيل: و بم يخرقها؟ قال: بكذب أو غيبة.‘‘

(سنن النسائي، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، ج:١، ص:٣١١، ط:قديمی)

’’روزہ (گناہوں سے بچانے والی) ایک سِپَر (ڈھال) ہے، جب تک روزہ دار اس کو نہ توڑے، عرض کیا گیا: اس ڈھال کو توڑنے والی کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ اور غیبت۔‘‘

ان احادیث کو اپنے روزوں کا جائزہ لینے کی غرض سے دوبارہ غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی تدبیروں سے اپنی اُمت کی تربیت اور ان کے روزوں کی حفاظت فرمائی ہے، تاکہ روزوں کا خاطر خواہ فائدہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی تربیت حاصل ہو۔

مجاہدۂ نفس اور روزہ

الغرض اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کو مجاہدۂ نفس کا مہینہ بنایا ہے، تاکہ اُمت کی ظاہری و باطنی تربیت اور اصلاح ہو سکے اور ان کو یہ موقع اس لیے دیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور گزشتہ پورے سال میں جو کوتاہی کر چکے ہیں اس کا تدارک کریں اور آئندہ کے لیے بھی ایسی تیاری کرلیں کہ جلد نفس وشیطان کے اثرات سے متأثر نہ ہوں۔ دن کو روزہ جیسی مبارک عبادت فرض کی جو عجیب وغریب اصلاحی تدابیر پر مشتمل ہے

اور یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزہ دار کسی سے سخت کلامی بھی نہ کرے اور کوئی بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے، بلکہ اگر کسی نے سخت کلامی کی اور کوئی تکلیف پہنچائی تو بغیر روزہ کے اگر چہ اتنی ہی مقدار میں بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن روزے کی حالت میں اس کی بھی اجازت نہیں، صرف اتنا کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یعنی جواب سے معذور ہوں۔ افطاری وسحری میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے اور شرعی ہدایات اور نبوی ارشادات کے مطابق روزہ رکھ لیا جائے تو درحقیقت انسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوجائے گا اور روحانیت ترقی کرکے ایسی منزل پر پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں جلوہ گر ہوجائے اور محبتِ الٰہی کا وہ اثر دل میں پیدا ہوجائے گا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن ہی نہیں۔ رات کو تراویح کی عبادت مقرر کردی، تاکہ نماز اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے نفسِ انسانی پر وہ نقوش مرتسم ہوجائیں جو کسی اور تدبیر سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ قرآن کریم زبان سے خود پڑھتا ہے یا کانوں سے سنتا ہے، قیام ورکوع وسجود سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عبادت میں مشغول ہے، کبھی دعا میں سربسجود ہے اور کبھی تسبیح وتہلیل وردِ زبان ہے۔ قدرت کیسے روحانی عجیب وغریب سیر وسلوک سے منازلِ عشق کا سفر طے کرا رہی ہے، سبحان اللہ!

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کا جو مختصر وقفہ ہے، اس میں تسبیحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس وبزرگی کی جاتی ہے اور بندہ اپنے خدا کے حضور میں حاضر رہتا ہے اور برکاتِ روحانی سے مالا مال ہوتا ہے، یہ بڑا قیمتی وقت ہے، اس میں توجہ الیٰ اللہ سے غفلت نہیں ہونی چاہیے، کلمۂ تمجید تو ہر شخص کو یاد ہوتا ہے، یعنی: ''سبحان الله والحمد لله ولا إلٰه إلا الله والله أكبر و لاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم'' وہ پڑھ لیا کرے، یا ''سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم'' کا وِرد جاری رکھے اور فقہاء نے ایک خاص تسبیح جو بہت ہی جامع ہے لکھی ہے، وہ یہ ہے: ''سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظَمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الحي الذي لا ينام ولا يموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح ، لا إلٰه إلا الله ، نستغفر الله ، نسألك الجنة ونعوذبك من النار'' اس کو تین مرتبہ ہر ترویحہ میں اور وتر اور تراویح کے وقفہ میں پڑھا کریں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان میں شرعی احکام کا ایسا پروگرام بنایا کہ انسان چاہے تو اپنی پوری زندگی میں صالح ومتقی بن جائے۔ نیز ماہِ صیام میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دے کر متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو سخی بنانے کی بھی تدبیر فرمائی اور اس کے طبعی بخل کی اصلاح اس طرح کی۔ الغرض پورے مکارمِ اخلاق، تقویٰ وصلاح، نیکوشعاری اور نیک گفتاری، جود وسخا اور کرمِ نفس کی ایسی تلقین کی گئی اور اس

کے لیے ایسا پروگرام بنایا گیا کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے اور اس سے بہتر تدبیر کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ قرآن کریم کے ایک لفظ میں ان سب باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا، ارشاد ہے: ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' یعنی ''تم پر روزہ اس لیے فرض کیا گیا، تاکہ تم متقی وصالح بن جاؤ۔''

دینی تربیت اور ماہِ رمضان

آج کل والدین اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بے حد کوتاہی کرتے ہیں، حالانکہ جس طرح ان کے ذمہ فرض ہے کہ خود نماز پڑھیں، صالح اور متقی بنیں، اسی طرح ان کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ اپنی اولاد کو اور گھر والوں کو نماز سکھائیں اور پڑھائیں، چنانچہ حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہوجائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں، گویا نماز سکھانا اس سے بھی پہلے ہوگا اور اگر دس سال کا ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو والدین اس کو پیٹیں اور نماز پڑھائیں۔ الغرض دینی تربیت دینا اور صالح بنانا بھی ان کے ذمہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تاکیداً فرمایا ہے: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا'' (التحریم:۶) یعنی ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔'' ماہِ رمضان سے یہ فائدہ بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ان دنوں مغرب اور عشاء کی نماز میں بچوں کو آنے کا طبعاً شوق رہتا ہے، اسی طرح سحری میں اُٹھنے کا بھی شوق ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی روشنی ان کے دل میں ہوتی ہے۔ اگر بچے کے اس فطری جذبہ اور شوق وصلاحیت سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے نماز وسحرخیزی کا عادی بنایا جاسکتا اور یوں رمضان کی برکت سے اپنی اولاد کو صالح بنانے کی بھی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان خود ان باتوں پر عمل کرے تو خود بخود اولاد کو صالح ونیک بنانے کی صورتیں نکل آتی ہیں، نیز چونکہ حدیث میں اس مہینہ کو ہمدردی کا مہینہ فرمایا گیا ہے، اس لیے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور محبت قائم کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ہاں تھوڑا سا ہدیہ بھیجنے میں بھی بہت سا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دلوں میں محبت بڑھادیتے ہیں اور نیکی کا ذریعہ بنادیتے ہیں، اپنے چاروں طرف نیکی کی یاد دلانا اور نیکی پھیلانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فرض کیا ہے، لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کے لیے باہمی محبت اور نیک برتاؤ ضروری ہے۔ رمضان کے مہینے سے اس کام میں بھی بڑی مدد ملتی ہے اور بہت برکت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوں اور اس عاشقانہ ومحبانہ عباداتِ الٰہی کے ثمرات وآثار سے بیش از بیش حصہ نصیب ہو، آمین۔

وصلی اللہ علٰی خیر خلقہٖ حبیب رب العالمین وخاتم النبیین محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰؍ربیع الآخر سنہ ۱۳۵۱ھ

برمکانِ حاجی عبدالجلیل خان صاحب، رئیس دربھنگہ، محلہ قلعہ گھاٹ

باسمہٖ تعالیٰ

سَمِيِّي المحترم، صَفِيِّي المكرّم، حِبِّي المعُظَّم، أخي المُحتشم، ذي المجد والمعالي!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خیریتِ طرفین از درگاہِ ربّ الکونین مطلوب ومرغوب!

والا نامہ جنابِ سامی بجوابِ عریضۂ احقر الانام موصول ہوکر باعثِ تمکین وتسکینِ قلبِ حزین ہوا۔ ارادہ مُصمّم عزم بالجزم تھا کہ بجوابِ عنایت نامہ، عریضہ فوراً لکھوں، لیکن جناب جیسی عظیم المرتبۃ، رفیع المنزلۃ ہستی سے نامہ وپیام بھی کارے دارد! اپنے دماغ میں وہ الفاظ نہیں پاتا، اپنے حافظہ میں وہ کلمات نہیں ملتے، جن کے ذریعہ سے ما فی الضمیر، سمعِ ہمایوں تک پہنچا سکوں، علاوہ بریں جناب نے والا نامہ میں چند استفسارات مختصر الفاظ میں، لیکن نہایت اہم فرمائے تھے، جسے حیطۂ تحریر میں (لانے کی خاطر) مجھ جیسے

بے مایہ کے لیے ایک طویل وقت اور عمدہ موقع درکار تھا۔ نیز زمانہ کے انقلابات، لیل ونہار کی رفتار، گردشِ فلک کی نیرنگیوں کا بہیئتِ مجموعی شکار ہورہا ہوں، بوجوہِ بالاتحریر جواب میں تاخیر ہوئی:

والعذرُ عند کِرام الناس مقبول! (شرفاء کے ہاں عذر قبول کیا جاتا ہے۔)

جنابِ سامی کا یہ ارشاد کہ: ''اپنے خیالات وحالات وعزائم سے مطلع فرمایئے'' بجوابِ استفسار عرض ہے کہ حالات مختصراً عریضۂ سابقہ میں گوش گزار کرچکا ہوں، جس کا اعادہ گو بصورتِ تفصیل ہی کیوں نہ ہو، تحصیلِ حاصل سے زیادہ وقیع نہیں۔

خیالات وعزائم کا اظہار نہ معلوم کس طریق پر صفحۂ قرطاس پر لاؤں؟ اس مختصر سے عرصہ میں مختلف عزائم اور خیالات کو عقلِ نارسا وفکرِ پراگندہ نے عمل کا نشانہ بنانا چاہا، لیکن جب کبھی عمل کے ہاتھوں نے آغازِ تکمیل کیا تو یا بسم اللہ کرتے ہی اہلِ زمانہ کا شکار ہوا، یا وسط میں جاکر تخریب کی بنیاد پڑی۔ بعد فراغتِ تعلیم دل میں ایک جوش خروش، اک مذاق وجنون تھا کہ اتنا درس دیا جائے، اور اتنی تعلیم میں کوشش کی جائے کہ کم سے کم شیخُ العالَم نہ سہی تو شیخُ الھند ضرور ہوجائیں، چنانچہ اسی کو دستورُ العمل قرار دے کر بسلسلۂ درس بنارس میں مقیم رہا، لیکن علمی کساد بازاری، اہلِ علم کی ناپیداواری نے قلبی ولولہ، دلی تڑپ پر کاری ضرب لگائی۔

بنابریں مختلف خیالات وافکار کی بحث وتمحیص کے بعد اشاعتِ اسلام، تبلیغ دینِ حق کا ولولہ جاگزیں ہوا، چنانچہ بنارس کی ملازمت کو پائے استحقار سے ٹھکراکر خلیل داس کی خدمت گزاری، سنسکرت دانی کے لیے (کی)، محض اس وجہ سے کہ اغیار واعداء اسلام کے مذہبی رخ وتصویر کا صحیح صحیح جائزہ لے سکوں، لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔

بالآخر سرگزشت کو ترتیب دے کر اس نتیجہ پر پہنچا کہ بعد ازیں تاجرانہ زندگی بسر کروں، ہاتھ پیر مارے، اپنے قرابت دار واحباب کے جیب ٹٹولے، اپنے گریبان میں دیکھا، تو اتنا سرمایہ نہ پایا کہ ایک ادنیٰ تاجر کی زندگی بھی بسر کرسکوں۔ مجبوراً ... درس وتدریس کے خیال میں ڈابھیل پہنچا، وہاں پہنچنے کے بعد مدرسہ کی سربفلک عمارات، طالبانِ علم کی فراوانی، کثیر العلم اساتذہ کی صحبت نے دوبارہ جوشِ درس کو اُبھارا، کمرِ ہمت باندھی، لیکن مدرّسینِ مدرسہ ... کی آنکھوں میں خار کی طرح چُبھتا تھا، بنابریں وہاں سے برداشتۂ خاطر ہوا، پھر کتب بینی کا بھوت سوار ہوا، چنانچہ ہندوستان کے مشہورترین دار الکتب سندھ پہنچا، لیکن یہ زاویہ نشینی اور قرطاسِ ابیض مُخَطَّط سے گفتنی وشنیدنی میں زیادہ حلاوت محسوس نہ ہوئی تو اس کا ترک کرنا بھی ارجح وانسب سمجھا۔ یہ وہ واقعات ہیں، جس کی ابتدائے تولید (سے) تاریخ انتہا تک جنابِ والا سامی کو حرف

بحرف لفظ بلفظ معلوم ہے، جس کا تذکرہ کسی مُحب سے اطالتِ کلام کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

مُحبّا! جس کے خیالات وعزائمِ قلبی یہ ما فی السطور ہوں، اور اس اس طریقہ سے ٹھکرا دیے گئے ہوں، اس کے خیالات وعزائم کی ترجمانی صرف ذیل کے شعر سے ہوسکتی ہے:

خبرم نیست کہ منزل گہِ مقصود کُجا ست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید (۱)

جس طریقہ سے جنابِ والا سامی کو میری ہمراہی اپنے ہمراہ منظور ہے، اسی طریق سے ازیدیّت کے ساتھ میرے قلب میں بھی ایک ولولہ، ایک اُمنگ ہے کہ اپنی حیاتِ مستعار اپنے شریکِ وطن، وشریکِ زبان، وشریکِ نسب، وشریکِ علم، وشریکِ نام کے ہمراہ بسر کروں۔ مجھے اپنی علمی حیثیت (مُعطی برحق نے جتنی بھی عطا فرمائی ہے)، علمی حیثیت کے فرائض، وطن مالوف کے حقوق، ملکی برادرانِ اسلام کی جہالت وضلالت وکم علمی کا احساس ہے اور علی وجہ الأتم ہے، لیکن وہ عالمگیر مجبوری ومعذوری، وہ جہانگیر مصیبت وآفت باستثنائے چند معدودہ افراد واشخاص صاحبانِ علومِ عربیہ پر ہے، ایک فردِ اکمل یہ غلام بھی ہے کہ کیسۂ ملکیت میں علاوہ افلاس ومسکینیت اور فقر وغربت کے کچھ نہیں، ربِ کعبہ کے جاہ وجلال کی قسم! اگر اتنی بھی استعداد وحیثیت ہوتی کہ ایک دو وقت یعنی صَبُوح وغَبُوق بھی بقدرِ کفاف میسر ہوتا اور اس میں کسی فردِ بشر کا محتاج نہ ہوتا تو آپ کا دست وبازو ہوتا، یا للأسف!

اے زر! تو خدا نہٗ ولیکن بخدا
ستّارِ عیوبے وقاضی الحاجاتے (۲)

میں مُستجاب الدعوات کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اے رب العالمین! اے گنبدِ خضرا میں آرام کرنے والے کے خالق! تو میرے ہم نام کے لگائے ہوئے پودے کو سرسبز وشاداب اور تروتازہ تا بقیامِ نظامِ عالَم اوجِ عروج کو پہنچا، میرے شریکِ درس کے عزائم وخیالات اور ارادات کو اقصائے مدارج ومنتہائے مراحل تک بحسن وخوبی سرانجام فرما، آمین!

حافظ! وظیفۂ تُو دعا گفتن است و بس!
در بندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید (۳)

میں جناب کی ذاتِ ستودہ صفات سے امیدِ واثق رکھتا ہوں کہ بارگاہِ مستجاب الدعوات میں فی

(۱) میں نہیں جانتا کہ منزلِ مقصود کہاں ہے؟ بس اتنا علم ہے کہ گھنٹے کی آواز آرہی ہے۔
(۲) اے مال! تو خدا تو نہیں، لیکن بخدا تو عیوب پر پردہ ڈالنے والا اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔
(۳) حافظ! تیرا کام تو بس دعا کرنا ہے، اس فکر میں نہ پڑ کہ وہ سنیں گے یا نہیں۔

الخلوات والجلوات ' دعواتِ خیر سے کمترین کو یاد وشاد فرمائیں گے، نیز یکجا کام کرنے کا موقع بارگاہِ ایزدی سے طلب فرمائیں گے، کمترین بھی اس خیال ودُھن میں رہے گا کہ کوئی ایسا موقع دستیاب ہو جس سے یُوسُفَیْن شریکِ عمل رہیں۔ لعلّ الله يُحدث بعد ذلك أمرا! (شاید اللہ تعالیٰ آتے وقت میں کوئی صورت پیدا فرمادے!)

میرے محسن جن کے یہاں میں فی الحال مقیم ہوں، ان کی خواہش پر مبلغ چودہ روپیہ، میوہ جات کی ترسیل کے لیے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں، جس کی رسید جناب کے دستخط سے مزیّن سات ربیع الثانی کو موصول ہوئی۔ تفصیلِ اشیاءِ مطلوبہ مفصلاً منی آرڈر فارم پر تحریر کر چکا ہوں، غالباً جناب اشیاءِ مطلوبہ کو روانہ فرما چکے ہوں گے، لیکن بنظرِ احتیاط دوبارہ عرض ہے کہ مبلغ چار روپیہ کا پستہ، چار روپیہ بادام کاغذی، دو روپیہ انار اصلی، ایک روپیہ چلغوزہ، دو روپیہ اخروٹ، ایک روپیہ خرچۂ مزدور، بھیج چکا ہوں۔ اُمید (ہے) کہ جلد بذریعہ برک روانہ فرمائیں گے، محصول بھی یہاں ادا کیا جائے گا۔ اُمید (ہے) کہ بملاحظۂ عریضۂ ہذا اپنے خیالات سے آگاہ فرمائیں گے، دعا کا محتاج ہوں۔ والسلام خیر الختام

جناب عموی صاحب کی خدمت میں بعد طلب دعا کے سلامِ مسنون قبول ہو۔ یوسف

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

تعارف اور مقصد

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ نے حرمین میں کی گئی دعاؤں اور التجاؤں کے نتیجہ میں استخارہ و استشارہ کے بعد ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی تاسیس و بنیاد رکھی۔ حضرت بنوریؒ فرماتے تھے کہ: یہ میرا ادارہ نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام وقف ادارہ ہے، جس کی تاسیسی اغراض میں تعلیم، تحقیق، تبلیغ، اصلاحِ معاشرہ کے لیے افراد سازی کے علاوہ مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے رفاہی شعبہ جات بھی تھے، جو کہ الحمد للہ ہر ہر شعبہ میں محدود وسائل کے باوجود اپنے اپنے دائرہ کار میں بہت عمدہ خدمات بجالا رہا ہے۔

ان شعبہ جات میں ایک اہم شعبہ ’’علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن‘‘ ہے، جس کا مقصد اولاً کراچی کی سطح پر مسلمانوں کی دینی راہبری وراہنمائی کے لیے مساجد کے منبر ومحراب کے لیے مستند علماء کرام اور مؤذنین کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مسجد کمیٹیوں کی دینی، شرعی اور قانونی معاونت فراہم کرنا ہے اور اس حوالے سے کبھی باہم کوئی نزاع یا اختلاف کی صورت بن گئی تو اسے گفت وشنید اور مثبت طریقہ وانداز سے حل کرنا ہے۔ یہ شعبہ تقریباً چار دہائیوں سے قائم ہے، جو جامعہ کے اکابر اساتذہ اور مفتیانِ کرام کی زیرِنگرانی اپنی خدمات فراہم کرتا ہے۔

دین اسلام میں مسجد اور منبر ومحراب کی اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، مسجد اور منبر ومحراب دینی معاشرہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ اور دین کی اشاعت کا مرکز ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسجد دینی معاشرہ کی اَساس اور بنیاد ہے، حتیٰ کہ اسلامی خلافت وحکومت کی بنیاد بھی یہی مسجد بنی۔ مسجد کی امامت و

خطابت اور مسجد کے نظم میں کسی بھی قسم کی خدمت سعادت مندی کی علامت ہے، مسجد کی امامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، بہت بڑا منصب اور ذمہ داری ہے، اذان دینا بھی فضیلت و اجر کا عمل ہے، اسی طرح مسجد کی کسی بھی قسم کی انتظامی، تعمیری اور مالی خدمت بھی سعادت ہے، جو حضرات اللہ کے گھر (مساجد) کے لیے محنت کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، تعاون کرتے ہیں، وقت دیتے ہیں، تعمیرات میں حصہ ڈالتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاون اور مددگار ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ'' جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کرے گا۔ مسجد کی خدمت اور دین کے کاموں میں لگنے کا موقع مل جانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

چند دہائیاں قبل کراچی کے حالات کے پیش نظر مساجد کے تحفظ کی غرض سے امام اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں علامہ بنوری ٹرسٹ کا ادارہ قائم کیا گیا۔ اس شعبہ کے اجراء اور اس کی ترقی میں ہمارے اکابر کی محنتیں ہیں، بالخصوص جامعہ کے دوسرے مہتمم امامِ اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور جامعہ کے استاذ حضرت مفتی عبدالسمیع شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اس شعبہ میں نمایاں ہیں۔

مساجد سے دینی خدمات کے تسلسل اور افادیت کے لیے مساجد کے ذمہ داران اور کمیٹی کے ارکان کا باہم اتحاد بنیادی اہمیت رکھتا ہے، جس کا ایک مؤثر ذریعہ باہم گفت وشنید کے مواقع فراہم کرنا اور اجتماعی تربیتی نشستوں کا اہتمام بھی ہے، چونکہ کافی عرصہ گزر گیا تھا کہ ''علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن'' سے ملحقہ مساجد کے احباب کے ساتھ مل بیٹھنے اور باہمی گفت وشنید کا اجتماعی موقع نہیں مل سکا تھا، جامعہ کے ذمہ داران نے سوچا کہ ملحقہ مساجد کے ذمہ داران اور کمیٹی کے ساتھ ابتدائی طور پر ایک تعارفی اور تربیتی نشست کا اہتمام کیا جائے، چنانچہ اسی غرض سے ''علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن'' کی طرف سے ملحقہ مساجد کے ائمہ اور کمیٹی کے ارکان و ذمہ داران کو زحمت دی گئی، اور ۲۴ رشعبان ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۳ر فروری ۲۰۲۵ء، بروز اتوار کو صبح اُن کے ساتھ نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس نشست و اجلاس کے لیے جامعہ کی طرف سے ائمہ کرام، مساجد کے ذمہ داران اور کمیٹی ارکان کو ایک دعوتی خط جاری کیا گیا، جس کا متن درج ذیل ہے:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر وعافیت ہوں گے!

جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن ایک معروف دینی درس گاہ ہے، جہاں دیگر دینی خدمات کے ساتھ اس بات کے لیے بھی کاوش کی جاتی ہے کہ اُمت کے مختلف طبقات کو درپیش امور میں دینی رہنمائی فراہم کی جائے اور اُن کے مسائل کے حل کے لیے حتی الوسع کوشش کی جاتی رہے۔ بالخصوص اہلیانِ مدارس ومساجد سے خالص دینی بنیاد پر دیرینہ تعاون روزِ اول سے ہی اربابِ جامعہ کا نصب العین رہا ہے۔

اسی جذبے کے پیشِ نظر جامعہ میں ایک اہم شعبہ ''شعبہ الحاقِ مساجد'' قائم ہے۔

آں جناب کے زیرِ اہتمام مسجد کا الحاق بحمدہٖ تعالیٰ جامعہ سے قائم ہے، جامعہ کے کارپردازان نے اس انتظامی الحاق کے استحکام اور مختلف پیش آمدہ مسائل میں تذکیر وتربیت کی غرض سے بروز اتوار بتاریخ ۲۴ رشعبان مطابق ۲۳ رفروری ۲۰۲۵ء، وقت نو بجے صبح مقام جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن جمشید روڈ کراچی، ملحقہ مساجد کے ائمہ کرام اور کمیٹی کے ذمہ داران کے ساتھ نشست کا اہتمام کیا ہے، اُمید ہے کہ آپ اس میں شرکت فرمائیں گے۔ دینِ اسلام کی خدمت اور اس بابت جامعہ کے نظم سے تعاون آپ کے لیے سعادت اور باعثِ برکت ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے نیک اعمال قبول فرمائے، آمین، جزاکم اللہ خیرا

والسلام

مولانا سید احمد یوسف بنوری	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
نائب صدر علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن	صدر علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن
ونائب رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن	ورئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

مولانا امداد اللہ یوسف زئی
جنرل سیکرٹری علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن
وناظمِ تعلیمات جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

اعلان اور خط روانہ کرنے کے بعد مقررہ تاریخ اور وقت پر یہ نشست منعقد ہوئی، اور الحمدللہ! جامعہ کی دعوت پر ملحقہ مساجد کے ائمہ کرام، کمیٹی کے صدور، جنرل سیکرٹری اور اراکین نے اس نشست میں بھرپور شرکت کی۔ تقریباً صبح ساڑھے نو بجے سے شروع ہونے والی یہ نشست دوپہر تقریباً ساڑھے بارہ بجے

تک جاری رہی، اکابر اساتذہ اور علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن کے ذمہ داران کے بیانات ہوئے، جس میں انہوں نے ائمہ مساجد اور ارکانِ کمیٹی دونوں حضرات کو گزارشات اور نصائح کیں، اور اپنے تجربات کی روشنی میں بالخصوص آپس میں اتحاد و اتفاق کی برکت و افادیت پر روشنی ڈالی۔ جامعہ کے اساتذہ اور ذمہ داران میں سے درج ذیل حضرات کے بالترتیب بیانات ہوئے: مولانا محب اللہ صاحب، مولانا امداد اللہ یوسف زئی صاحب، مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب، مولانا فیصل خلیل صاحب، قاری محمد اقبال صاحب اور مولانا سید احمد یوسف بنوری صاحب۔

الحمدللہ! اس نشست کی افادیت جامعہ کے ذمہ داران اور شرکاء سب ہی نے محسوس کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طرح اتحاد و اتفاق کے ساتھ دینِ متین کی خدمت کا موقع فراہم کرتا رہے، آمین ثم آمین۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اس نوع کی سالانہ نشست ہر سال ماہِ شعبان میں رکھی جائے، ان شاء اللہ۔

’’علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن‘‘ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کی جانب سے بلائی گئی اس نشست میں شرکت کرنے والے تمام احباب کا اہلِ جامعہ بالعموم اور ’’علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن‘‘ کے ذمہ داران بالخصوص شکریہ ادا کرتے ہیں، اور اُمید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی جامعہ کی آواز پر لبیک کہیں گے اور جامعہ سے استفادہ، تعلق، تعاون اور رہنمائی کے اعتبار سے مستقل رابطہ میں رہیں گے۔

و صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مساجد کی اہمیت اور ائمہ کرام کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری
نائب رئیس جامعہ و نائب صدر علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن

''۲۴؍شعبان ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۳؍فروری ۲۰۲۵ء بروز اتوار جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مساجد سے متعلق شعبہ علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن کے تحت جامعہ سے ملحق مساجد کے ائمہ کرام اور ارکانِ کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں جامعہ کے اکابر اساتذہ اور شعبہ کے ذمہ داران نے متعلقہ موضوعات پر مختلف نصائح اور گزارشات ارشاد فرمائیں، جامعہ کے نائب رئیس اور نائب صدر علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن حضرت مولانا سید احمد یوسف بنوری مدظلہٗ نے بھی صدارتی خطاب فرمایا، افادۂ عام کے لیے اس خطاب کو تحریری صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔'' (ادارہ)

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ'' (الحج:۴۰)

محترم و مکرم، قابلِ صد احترام و افتخار ائمہ کرام، معاونین، ارکانِ کمیٹی، صدور و جنرل سیکرٹریز!

حضرات! واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمیں اس شہر کے بلکہ ملک کے معززین کی فہرست بنانی پڑے یا ملت کے سرکردہ افراد کی کوئی ایسی فہرست بنانی پڑے، جو اُمت میں قرار واقعی تبدیلی کا باعث ہوں، نیز اُمت کے مسائل کے حل کی کلید جن کے پاس ہو اور جنہیں اُمت کی ناؤ کا ناخدا کہا جا سکے، تو یقیناً اس فہرست میں آپ حضرات کا نام شمار ہوگا، کیونکہ جس ادارے کو اس کی اصلاح کی بنیاد بننا ہے، وہ مسجد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتوں میں سے اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کامل و مکمل نظام لے کر آئے، جس کے بارے میں وعدۂ خداوندی تھا کہ دیگر تمام نظاموں پر غالب آئے گا:

’’هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ‘‘ (الصف:۹)

’’(چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمامِ نور کے لیے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس (دین) کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کردے (کہ یہ اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔‘‘ (بیان القرآن)

اس خدائی فیصلہ کے ساتھ آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تھا کہ یہ خانۂ خدا اللہ کا روئے زمین پر پہلا گھر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی ہے۔ تم نے اس کو شرک کا مرکز بنادیا ہے، کل کائنات کے لیے یہ توحید کا مرکز ہوگا، یہاں سرزمینِ عرب میں دوسرا کوئی نظام قائم نہیں رہے گا، یہاں تک کہ کوئی حکومت بھی قائم نہیں رہے گی، صرف اللہ کے ماننے والوں کے نظامِ حکومت کو دوام حاصل ہوگا۔

سارے پیغمبر اللہ کے ہاں محبوب تھے، سارے پیغمبر اللہ کے ہاں مقرب تھے، سب پر ہمارے لیے ایمان لانا ضروری ہے، جس طرح حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے، کوئی پیغمبر اپنی دعوت میں ناکام نہیں ہوا، ہر پیغمبر اپنی دعوت میں اسی طرح فائز المرام ہوا جس طرح کی کامیابی پیغمبروں کے لیے وعدۂ خداوندی ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ واقعہ ہے کہ پیغمبروں کے ماننے والے بعض چار تھے، بعض تین تھے، بعض اتنے تھے کہ ایک کشتی میں سماگئے، بعض کے ساتھ یہ صورت حال ہوئی تھی کہ ان کے مخاطبین کی طبیعت ایسی بنجر زمین تھی کہ اپنی بیوی تک نے ایمان لانے سے روگردانی کی، لیکن رسالت مآب ﷺ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ سوا لاکھ صحابہؓ آپ کی بات پر لبیک کہنے کے لیے تیار تھے، پورے جزیرۂ عرب میں آپ ﷺ کی حکومت بالفعل اور عملاً قائم تھی، جزیرۂ عرب رقبہ کے لحاظ سے تقریباً یورپ کے برابر علاقہ ہے، یہ پورا جزیرۂ عرب آپ ﷺ کی زیرِ حکومت تھا، پھر خلافتِ راشدہ میں اس کی توسیع ہوتی چلی گئی، برِاعظم کے برِاعظم آپ ﷺ کے نظام کے دست نگر ہوگئے، آپ ﷺ کے دین کا سکہ چلا اور عملاً چلا۔

ہم غور کریں کہ اس ساری کامیاب تحریک کے پیچھے آپ ﷺ نے کونسا ادارہ قائم کیا؟ تو وہ مسجد ہے، منبر ومحراب کو آپ نے نظمِ اجتماعی کا مرکز ٹھہرایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد افضل البشر ہیں، ان کی افضلیت کی دلیل یہ دی گئی تھی کہ رسالت مآب ﷺ نے انہیں جب ہماری مسجد کا امام بنایا، تو وہی ہماری دنیا کی امامت کے بھی مستحق ہیں۔ یہ ہے امامت کا درجہ۔ مسجد اَساس ہے، مجھے عرض کرنے دیجیے: مسجد کا نظام منصوصی ہے، مدرسہ کا نظام مستنبط ہے۔ مدارس کا نظام علماء کرام، فقہاء عظام نے زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اس کا استنباط کیا ہے، لیکن مساجد کی اہمیت منصوص ہے۔

یہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جس کا فیض پوری دنیا میں پہنچ رہا ہے، اس کے بانی مبانی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میرے ادارے میں مرکزی حیثیت مسجد کو حاصل ہونی چاہیے، حضرت بنوریؒ جب تشریف لائے تو مسجد کی بنیادیں رکھی جاچکی تھیں، مدرسہ کی جگہ خالی تھی، حضرت نے دریافت کیا کہ خالی جگہ کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: مدرسہ کے قیام کی خواہش ہے، مگر وسائل نہیں ہیں، حضرتؒ نے فرمایا: یہ جگہ میرے حوالہ کردو، اس کا قیام میں خود کروں گا، چنانچہ اس ادارے کا قیام ایسے عمل میں لایا گیا کہ اس میں مرکزی حیثیت مسجد کو حاصل ہے، اس کے اردگرد باقی شعبے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جن کا فیض پوری دنیا میں پہنچ رہا ہے فضائلِ اعمال اور دیگر کتب کی صورت میں، انہوں نے حضرت بنوریؒ کو خط لکھا کہ آج کل میں جو روحانی اَبتری دیکھ رہا ہوں، اس لحاظ سے مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدارس کے اندر خانقاہ کا نظام بھی قائم ہو، اور روز باقاعدہ ذاکرین کی ایک مخصوص تعداد ہو جو ذکر میں مشغول رہے، اس کا انتظام وانصرام اگر باہر سے نہ ہو تو اخراجات مدرسہ برداشت کرے۔ حضرت بنوریؒ اگرچہ منازلِ تصوُّف کے شناور ہیں، حضرت شفیع نگینویؒ (جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ہیں) اُن کے خلیفہ ہیں، حضرت تھانویؒ سے مجازِ صحبت ہیں، حضرت مدنیؒ سے خلافتِ استرشاد حاصل ہے، مگر آپ نے جواباً فرمایا کہ: میری نظر میں مدرسہ میں پڑھنے والے یہ ناظرہ کے چھوٹے بچے جو قرآن مجید پڑھتے ہیں ان سے وہی برکات حاصل ہوں گی جو خانقاہوں سے ہوتی ہیں۔ اپنے اساتذہ سے یہ سنا ہے کہ حضرت بنوریؒ کی خاص چاہت تھی کہ میرے مدرسہ میں جو آئے اس کی پہلی نگاہ مدرسہ میں ان حفظ وناظرہ کے بچوں پر پڑے، ہمارا تعارف یہ ہوں، اس لیے ناظرہ اور حفظ کی درسگاہیں علیحدہ مقرر نہیں کی گئیں، بلکہ مسجد میں ہی ان کا نظم کیا گیا۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ اکثر نابالغ بچے ہوتے ہیں، جو بہت زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرتے، اس لیے عام طور پر مدارس والے چاہتے ہیں کہ ہمارا پہلا تعارف وہ نہ بنیں، مگر حضرت کی منشا تھی کہ مدرسہ میں داخل ہونے والا سب سے قبل انہی کو دیکھے، ہمارا تعارف یہ مسجد میں پڑھنے والے بچے بنیں۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہے مسجد کی اہمیت جس کے بارے میں ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے: ''هو قطب رحی تدور حولهٗ حياة المسلمين'' کہ یہ وہ چکی کا پاٹ ہے جس کے اردگرد پورا اسلامی معاشرہ گھومتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارسِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں ہوتی ہیں، مگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مدارس سے بڑھ کر یہ ائمہ کرام کی آزادی ہے جو اغیار کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے، انہیں شدید کَج ہے کہ یہاں کے منبر ومحراب سرکار کے تابع نہیں ہیں، یہاں کے امام کو لکھا ہوا خطبہ نہیں ملتا، یہ نظام برِصغیر پاک وہند کی برکت ہے، حجازِ مقدس جیسی مقدس سرزمین کے ائمہ کو یہ سہولت حاصل نہیں ہے، یہ آپ کو

اور ہمیں حاصل ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ تو مساجد کی اہمیت اور ان کے سرخیل ائمہ کی اہمیت اور فضیلت ہوئی۔ اب اس نشست کے دوسرے مخاطب ہیں ہمارے ارکان کمیٹی، آج کے اجلاس کی اہم غرض یہ ہے کہ آپ حضرات سے ہمارا براہِ راست تعارف ہو سکے۔

عزیزانِ گرامی! آپ حضرات کو اپنی اہمیت اور درجہ سے آگاہ ہونا چاہیے، آپ کی خدمات معمولی حیثیت کی نہیں ہیں، اسلامی معاشرے میں جو دین اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اگر کسی تقسیم کی طرف رہنمائی ملتی ہے تو اس کے عنوان ہیں: مہاجرین اور انصار۔

انصار، وہ حضرات جنہیں خدا کی تقسیم کے مطابق خلافت کا تاجور بننا تو نصیب میں نہیں تھا، لیکن دین کی مدد و نصرت کا فریضہ اس شان سے ادا کیا کہ ان کا نام من حیث القوم انصار رکھا گیا، گویا یہ سبق ملا کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان کو قیادت کا موقع ملے، لیکن جو لوگ انصار کی طرح اخلاص کے ساتھ تعاون کریں، ان کا درجہ بھی کسی سے کم نہیں۔

آپ دیکھیں کہ حضور ﷺ نے انصار کو ایسے نوازا کہ جب فتح مکہ ہو گیا اور آپ کے لیے مکہ مکرمہ میں رہنا ممکن ہو گیا، مگر آپ نے انصار کے شہر کو ہی ہمیشہ کے لیے اپنا مسکن بنایا، حالانکہ مکہ مکرمہ کو چھوڑنا آپ پر نہایت شاق تھا، یہاں تک کہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ مڑ مڑ کر خانۂ خدا کو دیکھتے تھے اور آپ ﷺ کی زبان کے الفاظ کتب میں نقل ہوئے ہیں کہ اگر یہ ظالم مجھے مجبور نہ کرتے تو میں تم سے کبھی جدائی اختیار نہ کرتا۔ اس موقع پر آپ کی تسلی کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت بھی نازل ہوئی:

''اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ'' (القصص:۸۵)

''جس اللہ نے قرآن اُتارا ہے وہ پوری شان کے ساتھ آپ کو واپس لائے گا۔''

لیکن جب فتح نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں رہائش کا موقع نصیب فرما دیا تو آپ ﷺ نے انصار کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

تو اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ یہ کام اور دین کی خدمت کی تقسیم ہے، یا یوں کہیے کہ اسلامی معاشرہ کی تقسیم دو طبقوں میں ہوئی: ایک مہاجر، دوسرے انصار۔ انصار وہ ہیں جو دستِ تعاون دراز کریں، اپنے دروازے کھول دیں، آپ حضرات جو کمیٹی سے تعلق رکھتے ہیں آپ دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں انصار کہا جاتا ہے، آپ دین کی خدمت کے لیے اپنے دروازے کھولتے ہیں، اپنا مال خرچ کرتے ہیں، امامت کسی اور کی ہوگی اور اس کا پورا پورا ثواب آپ کو مل رہا ہوگا۔ آپ لوگ خوش نصیب ہیں جو اپنا وقت اس کام کے لیے صرف کرتے ہیں، اللہ فرماتا ہے: ''وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ'' جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ کو

تو مدد کی ضرورت نہیں، یعنی اللہ کے دین کی مدد کرے گا، تو اللہ اس کی مدد کرے گا، آپ ائمہ کا خیال رکھیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کا خیال رکھے گا، حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک بندہ اللہ کی مدد میں ہوتا ہے، اللہ اس بندے کی مدد میں ہوتا ہے۔ آپ ائمہ کے بچوں کا خیال رکھیں گے، اللہ آپ کے بچوں کا خیال رکھے گا۔

یاد رکھیں! جب کوئی تعمیر ہوتی ہے ہر چیز مینارے پر نہیں سجتی، ہر چیز محراب میں نہیں لگتی، عمارت قائم ہوتی ہے بنیادوں سے، دارالعلوم دیوبند کے بانی مبانی کون ہیں؟ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مگر تاریخ میں ہمیں ایک دوسرا نام بھی ساتھ ملتا ہے حاجی عابد، جنہوں نے یہ جگہ وقف کی، ہماری تقسیم میں دیوبند سے پڑھنے والوں کی نسبت قاسمی ہے، مگر اللہ کی بارگاہ میں تو حاجی عابد کا نام بھی درج ہوگا۔

عزیزانِ گرامی! ائمہ اور مسجد کی انتظامیہ کا جوڑ اس معاشرے کی اَساس ہے، اس سے مسجد مضبوط ہوگی اور ایک مسجد کئی اداروں کے وجود میں آنے کا باعث ہوگی، اسی طرح گزارش ہے کہ ہمیں چاہیے اپنی مساجد کو تربیت گاہ بنائیں۔

محترم ائمہ! علماء کرام! آپ خود داعیان ہیں، آپ کو نصیحت کرنا مقصد نہیں ہے، خود کو سنانا مقصد ہے۔ آپ یہ جذبہ پیدا کریں گے، تو اس کے اثرات دیکھیں گے۔ تو گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات مختلف پروگرام اور کورس کی ترتیب بنائیں، ہماری جامعہ کے ناظم تعلیمات اور ہم سب کے محبوب استاذ تھے حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ، انہوں نے ایک کورس بنایا ہے جس کا عنوان ہے ''تعلیم و تربیت'' جو عموماً گرمیوں کی چھٹیوں میں اسکول کے طلبہ کو کرایا جاتا ہے، اس کا اہتمام کریں۔ اسی طرح درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا اہتمام ہو۔ جو بات سب سے اہم ہے، وہ ہے اُمت میں جوڑ، دیکھیں! دکھ کی بات ہے کہ جو گناہوں کی جگہیں ہیں، وہ لوگ آزادی سے جمع ہوجاتے ہیں، کلفٹن کے بیچ میں، ہسپتال میں ہر کوئی چلا جاتا ہے، مسجدوں میں آتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ہمارا تعارف نہیں ہے، امام صاحب نہیں جانتے، کوئی اور نہیں جانتا، تو مساجد میں مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوگا تو کہاں اتفاق ہوگا؟

آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بتایا ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں گی، اس سے مراد منبر ومحراب سے جو صدائے حق بلند ہوتی ہے وہ نہیں ہے۔ اس سے مراد وہ آوازیں ہیں جو آپس کے اختلاف کی وجہ سے شور شرابہ کی وجہ سے بلند ہوتی ہیں، اختلاف تو اتنی منحوس چیز ہے کہ سب سے مقدس اور بابرکت رات لیلۃ القدر جو رمضان میں نازل ہوئی، اسی اختلاف کی وجہ سے اس کی تعیین نہ ہوسکی۔ مسجدیں جوڑ کی جگہ ہوں، مسجدیں ہمدردی کی جگہ ہوں، مسجدیں غم خواری کی جگہ ہوں، آپس میں ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوں۔

اس کا ذکر کرنا بھی باعثِ خیر ہے کہ یہ سارا شعبہ ہمارے اکابر کی برکات ہیں، حضرت اقدس مفتی

احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ، حضرت مفتی عبدالسمیع صاحب شہیدؒ جیسے حضرات تھے کہ جن کی جاں گسل محنتوں سے یہ نظم قائم ہوااور آج شہر میں شعبہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

ایک اوراہم بات کی طرف آپ کومتوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ شعبہ صرف فصلِ نزاعات اور دفعِ خصومات کے لیےنہیں قائم کیا گیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس شعبہ سے اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں بہت کام لے رہا ہے، کیونکہ نزاع دور کرنے کی دوصورتیں ہوتی ہیں کہ یا تو قانون اور طاقت کے جبر سے معاملہ حل کیا جائے یا کسی کے احترام اور لحاظ میں معاملہ رفع ہوجائے۔

اسی احترام کومعاشرے میں باقی رکھنے کی غرض سے دین میں جھوٹی قسمیں کھانے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں، اس لیے کہ ایک مرتبہ معاشرہ میں اگراللہ کریم کے نام کی حرمت ختم ہوجائے تو سارانظم تہہ و بالا ہوجاتا ہے،تو یہاں شعبہ میں کسی جبر کے ذریعہ نہیں بلکہ ادارے کے احترام کے باعث یہ جھگڑے نمٹ جاتے ہیں، ہمارے دارالافتاء میں بھی بڑے سے بڑا کاروباری معاملہ اسی اصول پر حل ہوجاتا ہے، جولوگ سالوں میں عدالتوں میں پریشان ہوتے رہتے ہیں، یہاں ہفتوں میں وہ معاملہ شرعی اصولوں کے مطابق نمٹ جاتا ہے۔لیکن بہرکیف یہ شعبہ صرف حلِ نزاع کے لیے قائم نہیں ہوا، یہ صرف جھگڑے نمٹانے کے لیے قائم نہیں ہوا، یہ صرف فساد رفع کرنے کے لیے قائم نہیں ہوا، یہ ادارہ آپ کا ادارہ ہے،اس کا دارالافتاء آپ کا دارالافتاء ہے، ان سے استفادہ کرنا ہے، ان کے اکابر سے استفادہ کرنا ہے، یہاں سے تربیت کا سبق لے کرجانا ہے، یہ اس کی اصل غرض ہونی چاہیے۔

یہی آج کی نشست کا مقصد ہے، ہمارے اس شعبہ کے اہم ذمہ دار ہیں قاری محمد اقبال صاحب، ان کو اللہ کریم نے شہر کے مختلف حلقوں میں ایک مقام عطا کیا ہے، مگر قاری صاحب صرف اس کام کے لیے نہیں ہیں کہ آپ کے جھگڑوں میں استعمال ہوں، وہ ان شاء اللہ! آپ کے غموں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے، اپنے احوال ان کو بتائیں، آپ کی فہرست ہمارے پاس ہو، ہم سے رابطہ میں رہیں، جونہیں آسکے ان کو بتائیں، اس کی خیر آگے تک پہنچے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری بدقسمتی ہے، مجبوری ہے، اس وقت ہم انگریزی قانون کے تحت جی رہے ہیں، ہم ڈیڑھ سوسال سے انگریز کے قانون کے تحت چل رہے ہیں، مساجد اور مدارس بھی انگریزی قانون کے ماتحت ہیں،لیکن اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے،آپ جانتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند، تھانہ بھون، تبلیغی جماعت یہ ساری خدمات ہمارے اکابر نے انگریز کے دور میں ان کی حکومت میں کرکے بتائیں، یہاں برسبیلِ تذکرہ اس بات کا ذکر کرنا مفید معلوم ہوتا ہے کہ اس شعبہ مساجد کے تحت جو مساجد ملحق ہیں وہ قانونی نظم کے لحاظ سے دوحصوں پر منقسم ہیں، کچھ مساجد ٹرسٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں اور کچھ سوسائٹی ایکٹ

کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔

ہم نے آج کی نشست میں صرف ان مساجد کے منتظمین اور ائمہ کو مدعو کیا ہے جو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں، دیگر سے نشست کی ترتیب ان شاء اللہ اگلی مرتبہ کی جائے گی۔ نیز قانونی ضرورت کا تقاضا بھی سمجھ لینا چاہیے، اب مساجد کو ایسوسی ایشن کے تحت ہی خود کو رجسٹرڈ ہونا چاہیے۔

ایک چیز کی وضاحت بہت ضروری ہے، عزیزانِ گرامی! جامعہ سے منتسب کوئی وکیل نہیں ہے۔ جامعہ کے ترجمان قاری محمد اقبال صاحب ہیں، مولانا اکمل صاحب ہیں، قاری اسامہ صاحب ہیں، مولانا عدیل شاہ صاحب ہیں۔ ہم بھی کسی وکیل کے پاس جاتے ہیں، تو کلائنٹ اور کسٹمر کی حیثیت سے جاتے ہیں، ان کو فیس دیتے ہیں، نہ ہم کسی وکیل کے نمائندہ ہیں، اور نہ کوئی وکیل ہمارا نمائندہ ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں، کسی نے کہا کہ آپ نے فلاں جگہ نام لکھا ہے، وہ قانونی مجبوری ہے، جیسے آپ کلائنٹ کے طور پر کسی کا نام لکھیں، یہ مجبوراً لکھنا پڑا، کوئی وکیل ہمارا نمائندہ نہیں ہے۔ آپ معاملہ کریں اس طرح جیسے اکابر نے سکھایا ہے۔ تول کر معاملہ کریں، کلائنٹ کی حیثیت سے معاملہ کریں، جس سے آپ کے حقوق وابستہ ہوں وہ معاملہ کریں۔ ہم یہ تو نہیں کرسکتے کہ وکیل بھی ہم فراہم کریں، ہم جامعہ میں وکیل تیار نہیں کرتے، ہم جامعہ میں علماء تیار کرتے ہیں، ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ مساجد میں وہی حقیقی کام ہو، جس کے لیے یہ مساجد قائم کی گئی ہیں، اور وہ ہے تربیت۔

آخر میں اپنے اس ارادے کا اظہار بھی ہم اللہ کریم کے سہارے کر رہے ہیں کہ ان شاء اللہ ہر سال شعبان میں اس نوعیت کی نشست کا اہتمام کریں گے۔ دعا کریں کہ اللہ عز وجل ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ عزیزانِ گرامی! اب استفادہ کرنا آپ کا کام ہے۔ رابطہ رکھیں، بھرپور رابطہ رکھیں، یہاں کے دارالافتاء سے استفادہ کریں، یہاں کے اساتذہ اور علماء سے استفادہ کریں۔ آپ چاہیں تو اس ادارے کو اینٹ گارے کا مجموعہ جان لیں اور چاہیں تو اسے اپنے علمی اور عملی استفادہ کا ذریعہ بنالیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی آمد قبول فرمائے، کوئی سخت سست بات ہوگئی ہو تو معذرت خواہ ہوں، آپ کا احترام ہم پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو، ارکانِ کمیٹی خواہ صدر ہوں، جنرل سیکرٹری ہوں، یا عام رکن ہوں یا عام نمازی ہوں، سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے بڑی زحمت کی، وقت دیا، اللہ تعالیٰ آپ کے آنے کو اور اس مجلس کو معاشرہ کے لیے، بلکہ پوری امت کے لیے خیر اور ہدایت کی ہوائیں چلانے کا ذریعہ بنائے، آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

ائمہ کرام اور ارکانِ مسجد کمیٹی سے چند گزارشات اور نصائح!

مولانا امداد اللہ یوسف زئی
ناظمِ تعلیمات جامعہ و جنرل سیکرٹری علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن

''۲۴ رشعبان ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۳ رفروری ۲۰۲۵ء بروز اتوار جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مساجد سے متعلق شعبہ علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن کے تحت جامعہ سے ملحق مساجد کے ائمہ کرام اور ارکانِ کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں جامعہ کے اکابر اساتذہ اور شعبہ کے ذمہ داران نے متعلقہ موضوعات پر مختلف نصائح اور گزارشات ارشاد فرمائیں، جامعہ کے ناظمِ تعلیمات و استاذِ حدیث، اور جنرل سیکرٹری علامہ بنوری ٹرسٹ/ ایسوسی ایشن، ناظم وفاق المدارس العربیہ صوبہ سندھ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہٗ نے بھی چند نصائح ارشاد فرمائیں، افادۂ عام کے لیے ان نصائح کو تحریری صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔'' (ادارہ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى اٰله وصحبه أجمعين، أما بعد: فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم: ''وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ''وقال النبي صلى الله عليه وسلم:''من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين.'' صدق الله العظيم

قابلِ صد احترام علماء کرام! معزز مہمانانِ گرامی! سب سے پہلے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن آمد پر آپ سب حضرات کو تہہ دل سے خوش آمدید، أهلا وسهلا ومرحبا۔ علامہ بنوری ٹاؤن ٹرسٹ کی طرف سے ایک عرصہ بعد پہلی مرتبہ آپ حضرات کو زحمت دی گئی ہے۔ اس مجلس کے

اغراض ومقاصد ان شاء اللہ العزیز حضرت مولانا سید احمد یوسف بنوری صاحب بیان فرمائیں گے، میں اتنی گزارش کروں گا کہ آپ جتنے حضرات تشریف فرما ہیں، آپ اپنے محلے کی مسجد کے وہ لوگ ہیں جن کا انتخاب تکوینی طور پر اللہ نے اپنی مسجد کے لیے کیا ہے: ایں سعادت بزور بازو نیست۔ اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، کیونکہ آپ کی سوچ اور اُٹھنا بیٹھنا' اللہ کے گھر کی تعمیر اور ترقی کے لیے ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے: ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ'' جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر کی دیکھ بھال کے لیے منتخب کیا ہے تو یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خیر وبھلائی کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں، جس کی بدولت وہ دین کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ پوری دنیا میں کتنے انسان ہیں؟! ہمارے پاکستان اور بالخصوص کراچی میں کتنے مدارس ہیں، کتنی مساجد ہیں اور دین کے ساتھ وابستہ کتنے لوگ ہیں؟! اور اس کے باوجود دین سے وابستہ لوگوں میں سے آپ لوگوں کا انتخاب ہوا ہے۔ ائمہ' منصبِ امامت پر فائز ہیں۔

جس نعمت کا شکر ادا کیا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق اس نعمت کو بڑھا دیتا ہے، جب کہ نافرمانی اور ناشکری کی صورت میں وہ نعمت چھن جاتی ہے۔ نعمتیں کس وقت چھنتی ہیں؟ اس پر مجھے اور آپ کو سوچنا چاہیے، اللہ کی طرف سے نعمتیں بارش کی طرح یکساں برستی ہیں، قدر دان لوگ قدر کرتے ہیں، نعمت ان کے ہاں باقی رہتی ہے اور جب بے قدری پر آتے ہیں تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اُٹھا لیتا ہے، چاہے درس وتدریس کا منصب ہو، امامت کا ہو، یا تحریر کا ہو۔

معزز ائمہ کرام! جو مقدر میں ہے وہ آپ کو ملے گا، ہمارے مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ایک جملہ فرماتے تھے کہ: ''دنیا جتنی مقدر میں ہے آتی رہے گی، دین پر مرمٹنا سیکھو۔'' آپ دیکھیے! اللہ تعالیٰ دنیا ان کو بھی دیتے ہیں جن کو پسند فرماتے ہیں اور ان کو بھی دیتے ہیں جن کو پسند نہیں فرماتے، مگر اللہ تعالیٰ دین اُن کو دیتے ہیں جن کو پسند فرماتے ہیں۔ دین کا کام کرنے والے جس شعبے سے بھی وابستہ ہوں محبوب ترین لوگ ہیں۔ آپ جتنے لوگ یہاں تشریف فرما ہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لیے کہ آپ حضرات کا منبر ومحراب کے ساتھ تعلق ہے، محراب والوں کے ساتھ تعلق ہے۔

ائمہ کرام سے تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا رزق محراب سے جوڑ رکھا ہے: ''وَوَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا'' (آل عمران:۳۷) یہ بہت پاکیزہ رزق ہے، پاکیزہ چیزیں زیادہ نہیں ہوتیں کم ہوتی ہیں۔ آپ کو بھی پاک صاف چیزیں کتنی اچھی لگتی ہیں، آپ حضرات خوب سمجھدار ہیں، ائمہ کرام ہیں، مقتدیوں کی

پاکیزگی صحیح نہ ہوتو امام پر اثر پڑتا ہے یا نہیں پڑتا؟ اور اگر امام پاکیزگی کا اہتمام نہ کرے تو پورے محلے پر اثر پڑتا ہے۔ میری پہلی گزارش یہ ہے کہ ائمہ ہوں، مقتدی ہوں، طہارت کا اہتمام کریں۔

میں خود امام نہیں رہا، باقی جن حضرات کے بیانات ہونے ہیں (یعنی مولانا محب اللہ صاحب اور مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب) ان کی زندگی امامت کا منصب نبھانے میں گزر گئی، میں تو امامت سے ڈرتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ: ''فلاں شاخ جاؤ، گاڑی لے کر جائے گی اور گاڑی لے کر آئے گی، مگر صرف جمعہ پڑھایا کرو۔'' میں نے ایک فاضل کو بدل کے طور پر پیش کر دیا، میں نے کہا: حضرت بہترین امام لے کر آیا ہوں، بہترین خطیب ہے، فرمایا: اپنی جان چھڑا رہے ہونا؟! میں نے کہا: نہیں پڑھا سکتا، بہت مشکل کام ہے۔ میری نظر میں چار بیویوں کو سنبھالنا اور ایک امامت کرنا دونوں برابر ہیں۔

آپ حضرات سے کچھ کڑوی باتیں ضرور کروں گا، ناراض نہ ہوں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ حضرات گئے کہ ہمیں ایسے ایسے اوصاف کا حامل امام دے دیں، حضرت نے فرمایا: اپنے بچے دے دو، میں ان شاء اللہ! ان کو عالم بنا دوں گا، پھر آپ کو امام بن کر مل جائیں گے۔ شرائط تو ایسی لگائی جاتی ہیں جو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی کتابوں کو منتخب کرنے میں لگائی ہیں اور جب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ تنخواہ کیا دو گے؟ جواب ملتا ہے: دس ہزار۔ میرے پاس جو قضیہ آتا ہے، میں پہلی بات کیا پوچھتا ہوں؟ ایک مرتبہ دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، ایک کمیٹی والے آئے اور کہا کہ: یہ ہے آپ کا فاضل! میں نے کہا: آپ کیا چاہتے ہو؟ کہا کہ یہ یہاں سے جائے، میں نے کہا: ٹھیک ہے، چلا جائے گا، ہمارا فاضل ہے، ہماری بات مانے گا، لیکن یہ بتاؤ کہ تنخواہ کیا دیتے ہو؟ کہا کہ: آٹھ ہزار، یہ آج سے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے، میں نے کہا: آپ کے صبح کے ناشتہ کا ماہانہ خرچہ کیا ہے؟ ایک دوسرے کو دیکھ کر سر جھکا لیے، میں نے کہا: اللہ کا خوف کرو، امام کو اللہ تعالیٰ نے عزت دے رکھی ہے، آقا ﷺ نے عزت دے رکھی ہے، لیکن اگر آپ لوگوں کی نظروں میں کوئی برا ہے تو وہ امام ہے۔

امام کو مستغنی رکھا جائے، اس کی معیاری تنخواہ مقرر کی جائے اور تقرر کرتے وقت ان سے یہ بات کریں کہ آپ کو دروس بھی دینے ہیں، فقہ اور حدیث کا درس بھی دینا ہے۔ نماز تو وہ بھی پڑھا سکتا ہے جو چلہ لگا لے، امام سے کام لو اور امام کو مستغنی کرو، تاکہ امام کی نظر مقتدیوں کی جیبوں پر نہ ہو۔ میں دورہ کے طلبہ کو آخری نصیحت کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ: اللہ کا وصف کیا ہے؟ اَللّٰہُ الصَّمَدُ، اللہ بے نیاز ہے، اللہ تعالیٰ کے اوصاف اپناؤ۔ امام آخر انسان ہے، جب اس کی تنخواہ اتنی ہوگی کہ دن کا کھانا بھی نصیب نہ ہو تو مقتدیوں کی جیب پر تو نظر ہوگی۔

میں کمیٹی والوں سے درخواست کروں گا اپنی ذات پر قیاس کرو کہ میرے گھر کا خرچہ کتنا ہے؟ امام کو خالی اور فارغ مت چھوڑو، دروس رکھو، محلہ میں مکتب قائم کرو۔ ڈیفنس میں ایک مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ امام چاہیے، میں نے بہترین نماز پڑھنے والا امام بھیج دیا، میں وہاں گیا تو میں نے کہا: جگہ تو بہت اچھی ہے؟ کہا کہ: ہاں! میں نے کہا: مجھ سے ایک وعدہ کرو، کہنے لگا: جی استاذ جی فرمایئے! میں نے کہا: کسی کے گھر پر جا کر بچوں کو مت پڑھایا کرو۔ یہ ائمہ بھی سنیں، کسی کے گھر پر جا کر بچوں کو مت پڑھایا کرو، اس لیے کہ جب آپ جاؤ گے تو گھر سے آواز آئے گی: قاری صاحب آیا ہے، اس سے علم کی بے توقیری ہوتی ہے۔ علم کی توقیر ہونی چاہیے، تحقیر نہیں۔ مسجد میں بیٹھ جاؤ اور اعلان کرو کہ میں مفت پڑھاؤں گا، بچوں کو مسجد بھیجو، اب اس مسجد کا یہ حال ہے کہ اس میں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے، میں نے ذمہ دار سے کہہ دیا کہ یہ کسی کے گھر پر نہیں جائے گا، مگر اسے تنخواہ صحیح دو۔ موجودہ دور میں معاملہ جانبین سے خراب ہے، امام ٹکتا نہیں اور کمیٹی والے خیال نہیں رکھتے۔

اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں، اختلاف کے نقصانات کتنے سنگین ہوتے ہیں؟ دل میں کدورتیں آتی ہیں، برکتیں ختم ہوتی ہیں، آپ اداروں کو دیکھیں، کتنے دینی ادارے ہیں، اگر اختلافات کا شکار ہوجائیں تو تنزلی کا شکار ہوجاتے ہیں، امام اور کمیٹی کے درمیان اختلافات واقع ہوجائیں تو برکتیں ختم ہوجاتی ہیں۔ سامعین پر نصیحت کیا اثر کرے گی، جب سامنے والا سنے گا اور اس کے دل میں امام کے متعلق عجیب و غریب تصورات آئیں، نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ کمیٹی کا فرد اس تلاش میں ہوتا ہے کہ امام کی کوئی غلطی مجھے مل جائے اور میں اسے اس منصب سے ہٹادوں۔ ایک دوسرے کے لیے برداشت کا مادہ ہونا چاہیے۔

مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دوسرے نمبر کے مہتمم ہیں، ایک دن نصیحت فرما رہے تھے، عجیب جملہ فرمایا: کہا کہ یہ کوئی کمال کی بات نہیں کہ آپ کے رفقائے کار سارے عقل مند ہوں، سمجھدار ہوں اور آپ اس تنظیم کو چلائیں، آپ کے رفقاء ہر نوع کے ہوں، کوئی سمجھدار ہو، کوئی ناسمجھ ہو، ایسے نظم کو چلانا کمال، دانشوری اور عقلمندی ہوتی ہے۔

کمیٹی میں بھی ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں، لہٰذا حکمت عملی اپنائی جائے، اس لیے ادارے نے جو نظام بنا کر آپ کے سامنے پیش کرکے رکھا ہے، اس کا بھی ایک مقصد اور پس منظر ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے لڑائیاں بھگتی ہیں، گولیاں کھائی ہیں، مساجد کے جو جھگڑے ہوتے تھے، وہ فائلیں ابھی تک میرے دماغ میں گھومتی ہیں، اس لیے ادارہ نے اس طرف توجہ دی، جس کی بدولت ہزاروں مساجد کو تحفظ ملا، اب تو الحمدللہ! وہ مرحلے نہیں رہے، لیکن جو امام اور کمیٹی کے درمیان تنازعات کی جو شکایات آتی ہیں، اس کے لیے

ہم بیٹھے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس محبت واُلفت کو قائم دائم رکھے۔اس لیے میرے دوستو! میری درخواست یہی ہے کہ آپس کے اختلاف سے بچو، آپس میں محبت کے ساتھ رہو، ان شاء اللہ! دین کی اشاعت ہوتی رہے گی، برکتیں بھی آئیں گی۔

ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، ہمارے ہاں کوئی فیس یا چندہ نہیں ہے، یہ ذہن میں رکھ لیں کہ ہم نے بنوری ٹرسٹ قائم کیا ہے، جتنے افراد ہیں ادارہ ان کو تنخواہ دیتا ہے، آج بھی ہماری شاخ گلشن عمر میں پورے پاکستان سے مدارس والے حضرات تشریف لاتے ہیں، کیونکہ جب وہ کسی کے پاس چندے کے لیے جاتے ہیں تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ بنوری ٹاؤن کی تصدیق لاؤ، ایک نہیں دو نہیں، پندرہ بیس استاذ اور خدام اس وقت مقرر ہیں، مدارس کے ساتھ تعاون کرنے کو اپنا کام سمجھتے ہیں۔ پورے پاکستان میں سب سے زیادہ کھالیں اگر کسی دینی مدرسہ میں اکٹھی ہوتی ہیں، وہ بنوری ٹاؤن ہے۔اور کامیابی کا راز کیا ہے؟ ہمارے ذمہ دار بیٹھے ہوئے ہیں، ایک روپیہ بھی اساتذہ کو بطور اجرت کے نہیں دیا جاتا ہے، نہ اساتذہ لیتے ہیں، ہم بھی چاہتے ہیں کہ دین کا یہ اہم کام مفت ہو، اس لیے پیسے کی لالچ کا الحمدللہ! ہمارے ہاں تصور نہیں ہے۔

الحمدللہ! اس وقت پورے ملک میں ایک ادارے سے سب سے زیادہ وفاق المدارس میں امتحان دینے والے طلبہ ہمارے ادارے بنوری ٹاؤن کے ہیں، جو تقریباً ساڑھے چار ہزار ہیں: ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ'' یہاں جو آرام فرما رہے ہیں (حضرت بنوریؒ، مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا حبیب اللہ مختارؒ، مولانا محمد بنوریؒ، ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق اسکندرؒ) ان کے اخلاص کی برکت ہے، مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ، مولانا بدیع الزمان صاحب رحمہ اللہ، حضرت سید مصباح اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، ان تمام اکابر کی برکات سے الحمدللہ! یہ ادارہ چل رہا ہے۔

آپ حضرات سے بھی درخواست ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو مزید ترقی عطا فرمائے، نظرِ بد سے بچائے اور تمام رفقائے کار کو اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ائمہ، مؤذنین، خدامِ مساجد کا مقام اور مسلم سماج

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
انڈیا

''مسجد'' خانۂ خدا، مرکزِ اسلام اور روئے زمین کے مقدس ترین مقامات میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی جانب سے خصوصی عزت وشرف سے نوازا ہے، اور قرآن مجید میں جگہ جگہ مسجد اور اس سے منسوب افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ خود نبی پاک ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے ہوئے جب قباء نامی مقام پر پہنچے تو سب پہلے مسجد بنائی اور جب مدینہ طیبہ میں فروکش ہوئے تب بھی اولین فرصت میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کا قصد کیا اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود بھی بناءِ مسجد میں حصہ لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ نسبت کی بنیاد پر مراتب ودرجات میں غیر معمولی تفاوت ہوجاتا ہے، کوئی شئ فی نفسہٖ معمولی دکھائی دیتی ہے؛ مگر اس کی نسبت اللہ، اس کے رسول ﷺ اور ان کے نزدیک محبوب چیزوں سے ہوجاتی ہے تو پھر اس کی عظمت میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور کلاہِ گوشۂ دہقاں آفتاب تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی حال ائمہ، موذنین اور خدامِ مساجد کا ہے کہ یہ حضرات عام طور پر حافظِ قرآن، عالم دین اور عابد ومتقی ہونے کی بنا پر ویسے بھی شرف وفضیلت کے حامل ہوتے ہیں؛ مگر مسجد کی نسبت سے ان کا مقام عالی اور ان کا مرتبہ بلند ہوجاتا ہے۔

منصبِ امامت کی اہمیت

اسلام میں منصبِ امامت کی بڑی اہمیت ہے، یہ ایک باعزت، باوقار اور قابلِ قدر دینی شعبہ ہے، یہ مصلّٰی درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی ہے، امام نائبِ رسول ہے، نیز اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور ایلچی کی حیثیت رکھتا ہے؛ اس لیے احادیث میں کہا گیا ہے کہ: ''تم میں جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہیے۔'' اسی طرح حدیث پاک میں ہے: ''اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجۂ قبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو، وہ تمہاری امامت کرے، کیوں کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان

قاصد ہے۔‘‘ (شرح نقاية، ج: ۱، ص: ٦٨، والأولى بالإمامة، الخ)

دوسری حدیث میں ہے کہ: ’’تم میں جو سب سے بہتر ہو، اس کو امام بناؤ، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے۔‘‘ (حوالۂ بالا)

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو امورِ دین کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہو) پھر وہ شخص جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔‘‘ (حوالۂ بالا، ملخص از فتاویٰ رحیمیہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امامت کا منصب کوئی معمولی منصب نہیں ہے؛ بلکہ امام قوم میں سب سے افضل و برتر اور ان کی نمازوں کا ضامن و ذمہ دار ہے؛ یہی وجہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد امرِ خلافت کو لے کر صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہوا، تو بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ کو یہ کہہ کر خلیفہ منتخب کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مرضِ وفات میں قوم کی نماز کا امام بنایا تھا۔ منصبِ امامت کے افضل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں: ’’بعض سلف کا قول ہے:

> ’’انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء سے افضل کوئی نہیں اور ان کے بعد نماز کے امام سے افضل کوئی نہیں؛ کیونکہ یہ تینوں فریق (انبیاء، علماء اور ائمہ) اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین رابطے کا ذریعہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو اپنی نبوت کے باعث، علماء علم کی وجہ سے، اور ائمہ کرام دین کے سب سے زیادہ اہم رکن کے سبب۔‘‘ (احیاء العلوم)

مؤذنین کی عظمتِ شان

اذان اسلام کا اہم شعار ہے، اس کی اہمیت اور عظمت مسلم ہے، اسی نسبت سے مؤذن کا بھی بہت اونچا مقام ہے، احادیث میں مؤذن کی فضیلت کے سلسلے میں متعدد روایتیں وارد ہیں، چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

①- عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا: ’’میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں بکریوں اور جنگل میں رہنا پسند ہے، اس لیے جب تم جنگل میں اپنی بکریوں کو لیے ہوئے موجود ہو اور نماز کے لیے اذان دو تو تم بلند آواز سے اذان دیا کرو، کیوں کہ جن وانس بلکہ تمام ہی چیزیں جو مؤذن کی آواز سنتی ہیں قیامت کے دن اس پر گواہی دیں گی۔‘‘ (صحیح بخاری)

②- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ

اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کتنی فضیلت ہے، پھر وہ اس پر قرعہ اندازی کیے بغیر کوئی چارہ نہ پائیں تو وہ اس پر ضرور قرعہ اندازی کریں اور اگر وہ جان لیں کہ (نماز کے لیے) اول وقت آنے میں کیا فضیلت ہے تو وہ ضرور اس کی طرف دوڑ کر آئیں، اور اگر وہ جان لیں کہ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کی کتنی فضیلت ہے تو وہ ضرور ان میں شریک ہوں، اگرچہ انھیں سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے۔'' (صحیح بخاری)

۳-حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤذن کی گردن کو تمام مخلوق سے بلند فرمادیں گے۔'' (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤذن کو قیامت کے دن بہت اونچا مقام عطا کریں گے۔) (صحیح مسلم)

۴-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ: ''تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلے پر ہوں گے، جنہیں دیکھ کر تمام اولین وآخرین رشک کریں گے، ایک ایسا غلام جو اللہ اور اپنے آقا کے حقوق ادا کرتا ہو، دوسرے وہ امام جس سے اس کے مقتدی راضی ہوں، تیسرے وہ مؤذن جو پانچوں وقت کی اذان دیتا ہو۔'' (مسند احمد)

مختصر یہ کہ اذان دینا کوئی معمولی عمل نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کی بارگاہ میں اس کی بہت زیادہ قدر و قیمت ہے؛ کیوں کہ مؤذن جس طرح اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کے گن گاتا ہے، اسی طرح اس کو اجر بھی اللہ رب العزت مرحمت فرمائیں گے۔

خدامِ مساجد کا مرتبہ

مسجد کی خدمت، اس کی صفائی وستھرائی کا خیال اور مسجد سے تکلیف دہ چیزوں کا ازالہ شریعتِ مطہرہ میں اعلیٰ درجے کی نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی مسجد سے کسی تکلیف دہ چیز (گندگی، کوڑا کرکٹ، وغیرہ) کو دور کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتے ہیں۔'' (ابن ماجہ)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک حبشی عورت ام محجن رضی اللہ عنہا مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی، مسجد کا کوڑا کرکٹ تنکے وغیرہ صاف کیا کرتی تھی، چند دن وہ نظر نہیں آئی، آپ علیہ السلام نے دریافت فرمایا: وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس عورت کا انتقال ہوگیا اور ہم نے اس عورت کو دفن بھی کردیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے اس کی موت کی خبر کیوں نہیں دی؟ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! رات کا وقت تھا، اس وجہ سے ہم نے آپ کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس عورت کی قبر بتاؤ! جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس خادمۂ مسجد کی قبر بتائی، تو آپ علیہ السلام نے اس عورت کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔'' (صحیح بخاری)

اس حدیث سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ علیہ السلام خدام مسجد سے کس قدر محبت فرماتے اور ان کی کس درجہ خبر گیری کرتے تھے۔ شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد کی خدمت ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اسی طرح حضرات صحابہؓ بھی مسجد کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے: ''امیر المومنین حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد قبا تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اے اوفی! کھجور کی چھڑی لے آؤ! جب اوفی کھجور کی چھڑی لے آئے، تو اس میں اپنے کپڑے کو لپیٹا اور جھاڑو کی طرح بنا کر مسجد کی صفائی فرمائی۔'' (فتح الباری لابن رجب، باب کنس المسجد)

موجودہ صورت حال

ائمہ، موذنین اور خدام مساجد کی اس درجہ اہمیت و فضیلت کے باوجود آج بہ کثرت دیکھنے میں آ رہا ہے کہ متولیان و ذمہ داران کی جانب سے ان حضرات کی مسلسل توہین و تنقیص ہو رہی ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت و سستی برتی جا رہی ہے؛ بلکہ ان کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے بہانے تلاشے جا رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی عزتِ نفس کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ یہ نہایت افسوس ناک بات ہے۔

یاد رکھیں! جب کسی عام مسلمان کی توہین کرنا، اسے حقارت کی نظر سے دیکھنا اور اس پر الزام لگانا جائز نہیں تو امام، مؤذن اور خدام مساجد جو قابلِ قدر دینی فرائض کی انجام دہی کے سبب معاشرہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان کی توہین کرنا، انھیں ستانا اور ان پر جھوٹے الزام لگانا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟!

لہٰذا مساجد کی انتظامیہ کا دینی و اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو حاکم اعلیٰ اور مختارِ کل سمجھنے کے بجائے خود کو خادمِ مسجد تصور کرے۔ ائمہ، مؤذنین اور دیگر خدام کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، محبت اور حُسن سلوک سے پیش آئے، ان کی عزتِ نفس کا خاص خیال رکھے، انھیں بھی اپنی طرح انسان و بشر جانے، جس سے غلطی اور بھول چوک ہو جاتی ہے اور موجودہ حالات کے مطابق ان کی دنیوی ضروریات کی تکمیل کے لیے سعی و کوشش کرے۔ حدیث پاک میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا، ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو کسی کو اجیر رکھے اور اس سے پورا کام لے لے؛ مگر اُجرت پوری نہ دے۔'' (بخاری شریف، بحوالہ مشکوۃ شریف) اُجرت پوری نہ دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی تن خواہ مار لے اور پوری نہ دے؛ بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جتنی اُجرت اس کام کی ملنی چاہیے اتنی نہ دے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر کم سے کم اجرت پر کام لے لے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ متولی اور انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ خادمانِ مساجد کو ان کی حاجت کے مطابق اور ان کی علمی قابلیت اور تقویٰ و صلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ و مشاہرہ (تنخواہ) دیتی رہے، باوجود گنجائش کے کم دینا بری بات ہے، جس پر عند اللہ مؤاخذہ ہوگا۔ (بشکریہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

تدبّرِ قرآن اور اسلافِ اُمت

ترجمہ وتدوین: مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

تدبّرِ قرآن کی تلقین وترغیب قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس کا حق جلّ مجدہٗ کی ذات سے براہِ راست تعلق ہے، آخری نبی ﷺ پر نازل کیے گئے اس آخری پیغامِ ربانی کے ہمارے ذمہ جو حقوق ہیں، ان میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ اس کتابِ ہدایت میں غور وتدبّر کرکے زندگی کی راہیں دریافت کی جائیں۔ خود قرآن کریم میں جابجا اس کی تلقین اور ترغیب ہے:

❶- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا‘‘ (محمد:۲۴)

’’تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟!‘‘ (بیان القرآن)

❷- ایک اور مقام میں فرمایا:

’’اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا‘‘ (النساء:۸۲)

’’تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے۔‘‘ (بیان القرآن)

❸- سورۂ ص میں ارشادِ حق جل مجدہٗ ہے:

’’کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ‘‘ (ص:۲۹)

’’یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں۔‘‘ (بیان القرآن)

❹- ایسے مومنین کی تعریف کی گئی ہے جو قرآن کریم کو سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

’’وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّ عُمۡیَانًا‘‘ (الفرقان:۷۳)

’’اور وہ ایسے ہیں جس وقت ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔‘‘ (بیان القرآن)

❺-حضرت سنان سلمی نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے آج رات ایک رکعت میں مفصلات (سورۂ ق تا آخر قرآن) پڑھی ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’ هَذًّا مِثْلَ هَذِّ الشِّعْرِ، اَوْ نَثْرًا مِثْلَ نَثْرِ الدَّقَلِ، إِنَّمَا فُصِّلَ لِتُفَصِّلُوْا .‘‘

یعنی ’’تم نے تو قرآن کریم کو شاعری کی مانند تیز رفتاری سے پڑھا، یا اس کو ردی کھجوروں کی طرح بکھیرا، (قرآن کا) مفصل حصہ تو چھوٹے چھوٹے حصوں میں اُتارا گیا تھا، تاکہ تم اُسے آہستہ آہستہ، رُک رُک کر اور ترتیل کے ساتھ پڑھو۔‘‘ (اگرچہ پورا قرآن ہی انہی آداب کا متقاضی ہے۔)‘‘ (مسند أحمد: ۳۹۵۸، شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲۰۳۳)

❻-حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

’’إن من كان قبلكم رأوا القرآن رسائل من ربّهم، فكانوا يتدبّرونها بالليل، و يتفقّدونها بالنهار.‘‘ (التبيان في آداب حملة القرآن للنووي، باب: ٥، ص: ٥٤)

’’تم سے پچھلے لوگ قرآن کریم کو پیغامِ ربانی سمجھتے تھے، ان کی راتیں اس کے غور وفکر میں گزرتیں اور ان کے دن اس کی ہدایات پر عمل کی جستجو میں بسر ہوتے تھے۔‘‘

❼-مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

’’نزل القرآن ليُتَدَبَّر و يُعمل به؛ فاتخذوا تلاوتهُ عملاً.‘‘

یعنی ’’قرآن کریم کے نزول کا مقصد اس میں غور وتدبر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے، لہٰذا محض قرآن کریم کی تلاوت پر اکتفا نہ کرو، بلکہ اسے عمل میں لاؤ۔‘‘ (مدارج السالکین لابن القیم، ج:۱، ص:۴۵۲)

تدبرِ قرآن کی اہمیت وفوائد

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تدبرِ قرآن کی اہمیت ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’بندے کی دنیا وآخرت میں سب سے مفید اور اسے سب سے زیادہ نجات سے قریب کرنے کے لیے قرآن کریم میں طویل غور وتدبر اور اس کی آیات کے معانی میں فکر کو یکجا کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں؛ کیونکہ قرآن، انسان کو خیر وشر کی تمام بنیادوں سے واقف کراتا ہے، خیر وشر کی راہوں، ان کے اسباب، نتائج وثمرات سے اور اہلِ خیر واہلِ شر کے انجام سے آگاہ کرتا ہے۔ سعادت کے خزانوں کی کنجیاں اور مفید علوم اس کے ہاتھوں میں تھما دیتا ہے، ایمان کی بنیادوں کو اس کے دل

میں راسخ کرتا ہے، اسے دنیا و آخرت کی حقیقت دکھاتا ہے، اس کے دل میں جنت و دوزخ کا استحضار پیدا کرتا ہے، اقوامِ عالم کی تاریخ سے آگاہ کرتا اور عبرت گاہیں دکھاتا ہے، اللہ کے عدل اور فضل کا مشاہدہ کراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات و اسماء، صفات و افعال، اس کی پسند و ناپسند اور اس تک پہنچانے والی راہ کی پہچان کراتا ہے۔‘‘ (مدارج السالکین، ج: ۱، ص: ۴۵۳)

غور و فکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت‘ دلوں کے امراض کا علاج اور ظاہر و باطن کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ حلیۃ الأولیاء (ج:۱۰، ص:۳۲۶) میں تابعی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے:

’’پانچ چیزیں دل کی دوا ہیں: تدبر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت، معدہ کو خالی رکھنا (یعنی کم کھانا)، رات کی عبادت، سحر کے وقت گریہ و زاری اور نیک لوگوں کی صحبت۔‘‘

مالک بن دینار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

’’اے اہلِ قرآن! قرآن کریم نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے؟! قرآن تو مومن کی بہار ہے، جیسے بارش زمین میں بہار کا باعث ہوتی ہے۔‘‘ (الزهد للإمام أحمد، روایت نمبر:۱۸۶۱)

یہاں نمونہ کے طور پر چند اقوال ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ ہر دور کے بزرگوں کے ایسے اقوال کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان‘ قرآن کریم سے اپنا تعلق مضبوط رکھے، اس کی تلاوت کرتا رہے، اس کے مضامین میں غور و فکر کرتا رہے، اور اس کی تعلیمات پر عمل کی کوشش کرتا رہے تو راہِ حق پر گامزن رہتا، گمراہیوں سے بچا رہتا اور نفس و شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو انسان، قرآن سے دور ہو جائے اور اس کی راہ سے روگردانی کرے تو وہ ضلالت کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا اور شیاطین کا کھلونا بن جاتا ہے، جو اسے ذلت و ہلاکت کے گھڑے میں جا گراتے ہیں، نتیجتاً ایسا انسان دنیا کے غموں اور آخرت کی حسرتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

’’وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى‘‘ (طٰہٰ:۱۲۴-۱۲۶)

’’اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے۔ وہ (تعجب سے) کہے گا: اے میرے رب! آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ: ایسا ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج

تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا۔'' (بیان القرآن)

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ'' (الزخرف:۳۶-۳۷)

''اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ اُن کو راہ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہِ (راست) پر ہیں۔'' (بیان القرآن)

فہمِ قرآن اور اسلافِ امت

کتابوں میں نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت کے غور وتدبر کے واقعات ملتے ہیں، جن سے رہبری بھی ملتی ہے اور شوق وجذبہ بھی بڑھتا ہے:

①- نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر پوری رات درج ذیل آیت پڑھتے اور دُہراتے گزاری تھی:

''إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' (المائدۃ:۱۱۸)

''اگر آپ ان کو سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

(سنن ابن ماجہ، روایت نمبر:۱۳۵۰)

اس واقعہ میں امت کے لیے نبی کریم ﷺ کی فکر کے ساتھ تدبرِ قرآن کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

رات بھر ایک ہی آیت دہراتے رہنے اور اس میں غور وفکر کرنے کے ایسے واقعات بہت سے صحابہ کرامؓ واکابرِ امت سے منسوب ملتے ہیں:

②- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''اگر تمہارے دل پاک ہوجائیں تو تم کلام اللہ سے کبھی سیر نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری زندگی میں کوئی ایسا دن گزرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا موقع نہ ملے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس مصحف میں پڑھا کرتے تھے، ان کی کثرتِ تلاوت کی بنا پر وہ مصحف جگہ جگہ سے شکستہ ہو چکا تھا۔ (الزهد للإمام أحمد،ص:۱۶۸)

③- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار پوری رات یہ آیت پڑھنے میں گزار دی تھی:

''وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' (النحل:۱۸)

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو، واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ''اس آیت میں بڑی عبرت اور نصیحت ہے، ہم جب بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی نعمت نازل ہوتی ہے، اور جن نعمتوں کے متعلق ہمیں علم نہیں ان کی تعداد تو اور زیادہ ہے۔'' (مختصر قیام اللیل، ص: ١٤٨)

④- ماضی قریب کے ایک صاحبِ دل بزرگ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی، مولوی سید تجمّل حسین صاحب سے فرمایا کہ: ''جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرّہ بھر آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ۔'' مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ابتدا میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے، قرآن شریف میں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ: ''ابھی بُعد ہے، قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے، کسی میں نہیں۔'' (تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، ص:٥٦)

مولوی تجمّل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ: ''قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔'' ایک روز آپ نے فرمایا کہ: ''نسبتِ قرآن، غایتِ سلوک ہے۔'' (یعنی تزکیہ وسلوک کا انتہائی مقصد قرآن کریم کی نسبت حاصل ہونا ہے۔)

(تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ص:٥٦)

⑤- مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا: ''میں رمضان المبارک میں قرآن مجید شروع کرتا ہوں، اور تدبر وتفکر سے اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں، لیکن کبھی پورا نہیں ہوتا۔ جب دیکھتا ہوں کہ آج رمضان المبارک ختم ہونے والا ہے تو پھر اپنے خاص طرز کو چھوڑ کر جو کچھ باقی ہوتا ہے اس دن ختم کر کے پورا کر لیتا ہوں۔'' (تصویرِ انور، ص:٣١٤)

کسی نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ آپ کا حافظہ تو اتنا قوی ہے کہ چند دنوں میں قرآن کریم حفظ کر سکتے تھے، پھر حفظِ قرآن نہ کر سکنے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ''بچپن میں تو والدین نے اس طرف متوجہ نہ کیا، اب یہ ممکن نہ رہا، اس لیے کہ قرآن کریم کی جو آیت پڑھتا ہوں، معارفِ قرآن کا ایک طوفان سا اُمنڈ آتا ہے، الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں، اور معانی ومطالب کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہوں۔'' (ایضاً ص:٦٧، ٦٨)

فہمِ قرآن میں معاون وموانع امور

قرآن کریم سے استفادہ کے لیے کچھ امور معاون ہوتے ہیں اور کچھ چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ کلام اللہ کی تعظیم وادب، تقویٰ وطہارت، اخلاص، دعا، قیام اللیل، سچی طلب، جذبۂ اتباع، خوفِ خداوندی، ایمان بالغیب، غور وتدبر، نفس کا مجاہدہ اس راہ میں معین ومددگار ہوتے ہیں، جبکہ بے ادبی وبے تعظیمی، کج روی، بدعقیدگی، کبر وغرور، فہمِ قرآن میں کوتاہی، معاصی، بلا دلیل بحث وجدال، انکارِ آخرت اور دنیا پرستی

اس راستے کے پتھر ہیں۔ یہاں ان امور کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے، ان سے متعلق تفصیلات تفاسیر قرآن، شروحِ حدیث اور کتبِ علوم قرآن وغیرہ میں ملاحظہ کیجیے:

چند مفید کتابیں

۱- التبيان في آداب حملة القرآن للإمام النووي رحمه الله ، الرسالة العالمية، بيروت، لبنان.

۲- بدائع الفوائد لابن القيم رحمه الله ، دارعالم الفوائد، مكة مكرمة.

۳- مقدمة ''الجامع لأحكام القرآن'' للقرطبي رحمه الله ، دار ابن حزم، بيروت، لبنان.

۴- فہمِ قرآن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ، ندوۃ المصنفین، دہلی، انڈیا

۵- مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

۶- قرآن کا مطالعہ کیسے؟ مولانا محمد اویس نگرامی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

۷- قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

۸- علوم القرآن، مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم، مکتبہ دار العلوم، کراچی

۹- القرآن، تدبرٌ وعملٌ، مركز المنهاج للإشراف والتدريب التربويّ

۱۰- هدايات القرآن الكريم- صياغةٌ معاصرةٌ لأكثر من عشرة آلاف هداية، إعداد: فريق من المتخصصين والباحثين ، شركة معالم التدبّر للتعليم، الرياض، السعودية.

۱۱- قرآن مجید اور عصرِ حاضر (مجموعہ مقالات) زیرِ سرپرستی: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم، ہدیٰ ڈسٹری بیوٹرز، حیدر آباد دکن، انڈیا۔

۱۲- اسلاف کا ذوقِ تلاوت، مولانا فیصل احمد ندوی، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

رمضان اور قرآن

ماہِ رمضان المبارک ہے، رمضان اور قرآن میں گہری مناسبتیں ہیں، یہ نزولِ قرآن کے آغاز کا مہینہ ہے، اور اسی مہینے کی جانب قرآن کو منسوب کیا گیا ہے، اس لیے اس ماہ میں قرآن کریم کی کثرتِ تلاوت، نمازِ تراویح میں سننے سنانے، دروسِ قرآن کی مجالس میں شرکت، علماء کرام کی رہبری میں مستند تفسیروں کے مطالعہ، اور مضامینِ قرآن میں غور وفکر کرنے کی کوشش ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کے ساتھ گہرا تعلق نصیب فرمائے، اور اس کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حق تعالیٰ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ

مولانا محمد شعیب احمد
کراچی

طرقِ وصول الی اللہ

صوفیاء کا مشہور قول ہے کہ: ’’الطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ‘‘ یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں جتنے مخلوق کے سانس، لیکن ہر ایک کی تلاش کا منتہا اور طلب کی غایت ایک ایسا راستہ ہوتا ہے، جو ’’اقرب‘‘ (Nearest) بھی ہو، ’’اسہل‘‘ (Easiest) بھی ہو اور ’’اسلم‘‘ (Safest) بھی!

کیا کوئی ایسا راستہ واقعتاً موجود ہوسکتا بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ محض ایک خیالِ خام و ناپختہ ہے یا ایک حسین خواب ہے! کیا مجاہداتِ شاقّہ کے بغیر بھی کوئی آسان ترین طریق سے حق تعالیٰ کو پاسکتا ہے؟ کیا ایسا اس دور میں بھی ممکن ہے؟ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ایسا طریق یقیناً موجود ہے جو ’’اقرب‘‘ بھی ہے، ’’اسہل‘‘ بھی اور ’’اسلم‘‘ بھی!

یہ تین ایسی خصوصیات (Qualifications) ہیں کہ ہر ایک طالبِ منزل جن چیزوں کا شعوری یا لاشعوری طور پر طالب ہوتا ہے، وہ یہی تین ہیں!

دنیوی قاعدے قوانین تو یہی ہیں کہ جو شے جتنی عظیم ہوگی، اس کے حصول میں اسی قدر دقتوں، تکلیفوں اور مشقتوں کا سامنا ہوگا، لیکن حق تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھیے کہ اپنے قرب و رضا و خوشنودی جیسے سب سے عظیم ترین مقصد کے حصول کے لیے ایسے آسان ترین راستوں کی جانب نسلِ انسانی کی راہنمائی فرماتے رہے اور فرماتے چلے جارہے ہیں کہ اقویاء بھی منزل یاب ہورہے ہیں اور ضعفاء بھی!

فخر الدین عراقیؒ کی آسان راستے کی طلب

فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے اقرب و اسہل راستے کی خواہش و طلب کا اظہار فرمارہے ہیں کہ:

صنما! رہِ قلندر سَزد ار بمَن نُمائی

کہ دَراز و دُور دِیدم رَہ و رسمِ پارسائی

اے شیخ! مجھے قلندری کا راستہ دکھایئے، کیونکہ یہ پارسائی کا راستہ دور بھی ہے اور طویل بھی۔''

''رہِ پارسائی'' کو دراز پاکر اور دور دیکھ کر ''پارسائی'' کے اس طول وطویل راستے کے بجائے ''قلندری'' کے قصر وقصیر راستے کی طلب اور خواہش جیسے عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، کس طالبِ مولیٰ کے سینے میں یہ ہُوک نہیں اُٹھتی؟! کس سالک کی یہ حسرت وتمنا نہیں ہے؟! ایسا ہی ایک قریب ترین اور آسان ترین راستہ موجود ہے جو ہر ایک رہروِطریق کی رسائی میں بھی ہے اور اس پر چلنا ہمت وطاقت میں بھی!

''اقرب'' و ''اسہل'' و ''اسلم'' ہونے کی دلیل

ایک ایسا ہی اقرب واسہل واسلم طریق طریقِ اعترافِ ذنوب، اعترافِ خطا وقصور ہے۔ اس راہ سے بہتوں نے حق تعالیٰ کو پایا اور بہت سے اب بھی پا رہے ہیں اور آج بھی بہتوں کو اس طریقہ سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

''اقرب'' اس لیے کہ ذنب تو انسان کے ساتھ ایسا لگا ہوا ہے کہ ہر وقت ہی ذنوب کا صدور ہو رہا ہے، خطائیں اور قصور ہو رہے ہیں، ہوتے چلے جا رہے ہیں، تو جیسے ہی خطا ہوئی اور حق تعالیٰ کے سامنے اعترافِ خطا اور توبہ ہوئی تو حق تعالیٰ کی عطا ہوئی، کرم ہوا، قربِ حق نصیب ہوا! کس قدر اقربیت ہے کہ یہاں ذنوب جدا نہیں ہو رہے، معصیتیں الگ نہیں ہو رہیں، اعتراف کرتے ہی توبہ کرتے ہی قربِ الٰہی کا حصول ہو رہا ہے، رضائے الٰہیہ حاصل ہو رہی ہے اور قرب و رضا کے سوا منزل کیا ہے! اس سے زیادہ اقربیت منزل کی کیا ہوسکتی ہے کہ خطا ومعصیت نے حق تعالیٰ سے جدا کیا، اعتراف وتوبہ سے پھر واصل ہوگئے، اِدھر معصیت فراق کا باعث بنی، اُدھر اعتراف وتوبہ وصال کا سبب!

''اسہل'' اس لیے کہ اس میں نہ کوئی لمبے چوڑے مجاہدے ہیں، نہ کوئی مراقبات واَشغال میں سے گزارا جا رہا ہے، صرف زبان سے بلکہ زبان سے بھی نہ کہے تو دل میں ہی اعتراف اور توبہ سے منزل یاب ہو رہے ہیں۔

''اسلم'' اس لیے کہ اس راہ میں کوئی خطرات، کوئی گمراہیوں کا گزر نہیں ہے، جیسے اس راہ میں گوناگوں قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہیں اور نفس وشیطان کی فریب کاریوں اور دھوکہ دہیوں کا سامنا ہوتا رہتا ہے اور کتنوں کیسوں کو قعرِ مَذَلّت اور قعرِ مُضِلّت میں گرایا جاتا ہے اور اب بھی گرایا جا رہا ہے، اس کے برعکس رہروانِ طریقِ اعترافِ خطا وقصور والوں کو ان کی معصیتوں، ندامتوں اور شرمندگیوں کے بوجھ نے ہی ان کے دعووں کے پندار کی گردن توڑ رکھی ہے اور فنائیت نقداً نقد حاصل ہے۔ حضرتِ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نورانی حجابات، ظلمانی حجابات سے اشد ہیں۔ یہ ظلمانی حجابات تارِ عنکبوت ہیں، اعتراف وتوبہ کی جنبش سے عنکبوتی حجاباتِ ظلمانیہ رفع ہوجاتے ہیں اور ''وجہُ اللہ'' پیشِ نظر!

نورانی حجابات کی دبیز یت

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ: ''ایک صوفی کو نور منکشف ہوا اور وہ اسے نورِ الٰہی سمجھ کر کئی برس تک اس کی عبادت میں مشغول رہا، جب بعد میں اس پر یہ کھلا کہ یہ تو اس کی اپنی روح کا نور تھا تو پھر توبہ واستغفار میں مشغول رہا!'' اگرچہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسا Litmus Test لکھا ہے، جس سے حق و باطل میں رحمانی وشیطانی خطرات میں امتیاز ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ایسے کسی انکشاف کے بعد نفس کی حالت پر غور کرے کہ عجز وانکسار غالب آتا ہے یا عجب و پندار! ''ناز'' کی حالت ہوتی ہے یا ''نیاز'' کی! اگر ''نیازمندی'' کی حالت پیدا ہو تو ٹھیک، وگرنہ اُسے دھوکہ خیال کرے، لیکن اس امتیازِ انکسار و پندار میں بھی اگر دھوکہ کھا گیا تو پھر!

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حذاقتِ طبِ روحانی

بیسویں صدی میں حق تعالیٰ نے برصغیر کو ایک ایسی ہستی سے نوازا جس کی نگاہِ دُور بیں و باریک بیں نے وہ کچھ دیکھا جو بہت کم کی نظر میں آیا اور صرف خود ہی نہیں دیکھا، بلکہ اصلاحِ نفس وقلب کے اصولوں کی صورت، شکل میں ایسے دُور بینی و باریک بینی شیشے عنایت فرمائے جن کو لگا لگا کر کم بیں بھی اس منظر کو دیکھ سکتے ہیں جسے وہ مجدد الملت والدین جس کی نگاہ ''يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ'' کی حقیقت وعظمت پائے ہوئے تھی، اپنی نگاہِ روشن سے بے غبار دیکھ رہا تھا، ان کی اس بات پر سر دھنیے فرمایا کہ:

> ''اگرچہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حق و باطل میں امتیاز کا ایک طریق لکھا ہے، لیکن تمہیں اس میں بھی دھوکہ دیا جا سکتا ہے، اس لیے تم بس ''لَا'' ہی پھیرنا، نفی ہی کرتے جانا، کسی بھی ایسی شے میں مشغول نہ ہونا!''

اس بات کی قدر دانی وہی کر سکتا ہے جو اس راہ کے خوب رُو اور دلکشا ورعنا دھوکوں سے واقف ہے کہ کس قدر بھیس بدل بدل کر شیطانی نفسانی دھوکوں کا سامنا ہوتا رہتا ہے! أعاذنا الله تعالٰی.

یعنی جو اَنوار کے دھوکے میں ڈال سکتا ہے تو کیا عجز وانکسار کے دھوکے میں نہیں ڈال سکتا!

اس بات سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس راستے میں خطرات ہیں اور جس راستے کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے وہ ان خطرات سے خالی ہے، کیونکہ اس راہ میں شکستگی ہی شکستگی ہے، جو مشکل ہی کسی دھوکہ کو راہ پانے دیتی ہے۔

قربِ الٰہی کے طریقوں کی تین انواع اور اصولِ توبہ وندامت

شیخ زکریا بن محمد الانصاریؒ ''الفتوحات الإلٰهية'' میں رقم طراز ہیں کہ ''قربِ الٰہی کے طریقے اگرچہ بہت سے ہیں، لیکن ہم انہیں تین انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں:

''پہلا طریقہ: اربابِ معاملات کا ہے، جس میں کثرتِ صوم وصلوٰۃ اور تلاوتِ قرآن وغیرہ ظاہری اعمال کی کثرت ہے اور یہ لوگ ''اخیار'' کہلاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: اربابِ مجاہدات کا ہے، ان کے ہاں اخلاق کی تحسین، نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور جن امور کا باطن کی درستی وتعمیر سے تعلق ہو، ان کے لیے کوشش کرنا ہے اور یہ حضرات ''ابرار'' کہلاتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: طریق السائرین إلی اللہ (یعنی اللہ کی طرف ہمیشہ سیر وسلوک میں مشغول رہنے والوں کا ہے) اور یہ لوگ اہلِ محبت میں سے ہیں اور ''شطار'' کہلاتے ہیں۔ یہ طریقہ دس اصولوں پر منحصر ہے، ان دس اصولوں میں سے پہلا اصول توبہ یعنی ندامت ہے۔ اس کی تکمیل (نفسانیت کو) جڑ سے اُکھاڑ دینے پر ہوتی ہے۔''

ہمارا مقصود تیسرے طریقہ کے اس پہلے اصول کے متعلق ہے جو توبہ یعنی ندامت ہے۔ اس طریقِ اعترافِ قصور میں بھی نفسانیت کی جڑ کٹ جاتی ہے، اگر اُمُّ الرَّذائل کبر ہے تو اُمُّ الفضائل عجز و انکسار صادق ہے۔

احوالِ انبیاء کرام علیہم السلام

❶-حضرت آدم علیہ السلام کا اسوۂ اعترافِ خطا وقصور

انسان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی تخلیق اپنے ہاتھوں سے کی اور اس خاکی پتلے میں ''وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ'' سے حیات پھونکی۔ اُسے ''علم اسماء کلہا'' سے مزیّن کر کے ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور ملائکہ سے علمِ اسماء کے متعلق استفسار کیا، جواب سے عاجز ملائکہ، ''لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا'' کہہ کے عدمِ علم کے معترف ہوئے تو آدم علیہ السلام نے بتایا جو انہیں ''الْعَلِيْمِ'' نے سکھایا تھا۔ ملائکہ کو سجدہ ریزی کا حکم صادر ہوا، سب سجدہ ریز ہوئے إلا إبلیس۔ خلافتِ ارضی کے لیے چُنیدہ آدم (علیہ السلام) سے خطائے اجتہادی ہوئی اور جنت سے خروج ہوا۔

حکمِ ''ہبط'' آدم کو بھی ملا اور ابلیس کو بھی، لیکن آدم علیہ السلام کو ملا ''خلیفة اللہ في الأرض'' اور ''کَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ'' جیسی عظمتوں کے ساتھ اور ابلیس کو ملا ''لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ'' اور ''إِنَّكَ رَجِيْمٌ'' کی ذلتوں کے ساتھ، یعنی آدم علیہ السلام اُترے ''خلافتِ ارضی'' اور ''کرّمیّت'' کے ساتھ اور ابلیس اُترا ''لعنتِ ابدی'' اور ''رجیمّیت'' کے ساتھ۔

ایک خطا آدم علیہ السلام کی اور ایک خطا ابلیس کی اور صدورِ نفسِ خطا میں دونوں ظاہراً مشترک، ناں کہ

حقیقتاً، لیکن ایک کو اجتبائیت اور کرّمیّت سے نوازا گیا اور ایک کو ’’لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ‘‘ کا مژدہ سنایا گیا۔ اُس کا سبب سوائے اس کے کیا تھا کہ ’’آدم‘‘ کا ’’آدمی طرزِ عمل‘‘ تھا، یعنی اعترافِ قصور، جس کا اظہار کیا ’’رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا‘‘ کہہ کر اور ’’ابلیس‘‘ کا ’’ابلیسی طرزِ عمل‘‘ تھا جس کا اظہار کیا ’’أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ‘‘ کہہ کر۔ ایک تو عدمِ اعترافِ قصور اور اس پر مستزاد یہ کہ ’’أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ‘‘ کے بعد مصداق بنا ’’ایک کریلا اور دوسرا نیم چڑھا‘‘ کا۔ ایک راہِ محبوبیتِ الٰہیہ ہے اور ایک راہِ مغضوبیتِ الٰہیہ۔ خطائے آدم پر تو انسان کی نگاہ جاتی ہے، لیکن اُس سے آگے نہیں بڑھ پاتی، جہاں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: ’’عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى‘‘، اس سے اگلی آیت میں یہ بھی تو فرمایا ہے کہ: ’’ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى‘‘

دیکھیے! حق تعالیٰ معصیتِ آدم کے بعد اجتبائیتِ آدم کا ذکر فرما رہے ہیں اور فسقِ ابلیس کے بعد رجیمیّتِ ابلیس کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ’’عَصٰى‘‘ اور ’’غَوٰى‘‘ تو بنی آدم کے خمیر میں ہے، لیکن اجتبائیت کی راہ ’’عَصٰى‘‘ اور ’’غَوٰى‘‘ کو کچلنے سے نہیں، بلکہ ’’رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا‘‘ کے اعتراف سے کھلتی ہے اور رجیمیّت کی راہ ’’أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ‘‘ اور ’’أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ‘‘ سے ہموار ہوتی ہے۔

اگرچہ خطاً تو دونوں مشترک ہیں تو کون سی ایسی بات ہے جس کی بدولت دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، وہ بات ہی اصلِ بندگی ہے، وہی کیمیا ہے قلوب کی، وہی نسخۂ جراحتِ دل ہے۔ وہ ’’کیمیا‘‘ وہ ’’نسخہ‘‘ ہے: اعترافِ قصور، اعترافِ ذنوب، اعترافِ نقص، اعترافِ تقصیر اور اعترافِ خطا کا۔

دیکھیے! حق تعالیٰ نے فرعون کے لیے ’’إِنَّهٗ طَغٰى‘‘ فرمایا اور آدم علیہ السلام کے لیے ’’فَغَوٰى‘‘ وہاں ’’فَغَوٰى‘‘ کے بعد ’’اجتبائیت‘‘ ہے، لیکن اُس کے بیچ اعترافِ قصور و ذنوب بھی ہے جو سبب ہے اجتبائیت کا اور فرعون کے معاملہ میں ’’طَغٰى‘‘ ہی ’’طَغٰى‘‘ ہے، بیچ میں کہیں اعترافِ قصور و ذنوب نام کو بھی نہیں ہے، اسی لیے ’’اجتبائیّت‘‘ کی جگہ ’’غرقیّت‘‘ ہے۔

جہاں تک معصیت کا تعلق ہے تو ذوقِ معصیت تو انسان کے خمیر میں ہے جس کا اظہار ’’كُلُّهُمْ خَطَّاؤُوْنَ‘‘ کہہ کر کر دیا گیا تو مسئلہ بنی آدم ’’خطا‘‘ نہیں، ’’قصور‘‘ نہیں، بلکہ عدمِ اعترافِ خطا و قصور ہے۔ خطائیں تو ہم سے ہوتی ہی رہیں گی تو اعترافِ خطا و قصور کر کے ہم کیوں ناں حق تعالیٰ کے ہاں اجتبائیت اور محبوبیت کا درجہ پالیں۔ آج بھی حق تعالیٰ وہی کے وہی ہیں، وہ بدلے نہیں ہیں، ’’لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا‘‘ کا وعدۂ الٰہی ہے، جس کا تخلّف محال ہے۔

❷ - حضرت یونس علیہ السلام کا اسوۂ اعترافِ خطا و قصور

حضرت یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا، لیکن اُن کا عناد و تمرُّد بڑھتا ہی رہا تو بددعا کی اور اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے اور قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو تمام

بستی والوں نے دل سے توبہ کی اور بت توڑ ڈالے اور حضرت یونس (علیہ السلام) کو ڈھونڈا، لیکن نہ ملے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ:

''پس چونکہ اس فرار کو انہوں نے اجتہادِ جائز سمجھا، اس لیے انتظار نص اور وحی کا نہ کیا، لیکن چونکہ امیدِ وحی کا انتظار انبیاء کے لیے مناسب ہے، اس ترکِ مناسب پر اُن کو یہ ابتلا پیش آیا، راہ میں ان کو کوئی دریا ملا، اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے، کشتی چلتے چلتے رک گئی، یونس (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ میرا یہ فرارِ بلا اذن ناپسند ہوا، اس کی وجہ سے کشتی رکی، کشتی والوں سے فرمایا کہ: مجھ کو دریا میں ڈال دو، وہ راضی نہ ہوئے، غرض قرعہ پر اتفاق ہوا، تب بھی ان ہی کا نام نکلا، آخر اُن کو دریا میں ڈال دیا اور خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی۔''

اس واقعہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ جب کشتی رکی تو نبیِ وقت ہو کر بھی یہ احساس بیدار ہوا کہ یہ قوم کو چھوڑ کر آنا درست نہیں تھا، یہ میری خطا کی وجہ سے کشتی رک رہی ہے اور قرعہ ڈال کر بھی جب آپ ہی کا نام نکلا تو دریا میں ڈال دیے گئے۔ ہم معصیتوں میں گھر کر ہمہ وقت معصیت کوشیوں کے باوجود خود کو کبھی قصوروار خیال نہ کریں اور وہ معصوم عن الخطا ہو کر بھی ایک ایسی بات جو مناسب نہ تھی، اسے اپنی خطا صرف سمجھا ہی نہیں، بلکہ اس کا اعتراف بھی کیا:

''فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ''

حضرت یونس علیہ السلام زبانِ حال سے جس مفہوم کو ادا کر رہے تھے، حق تعالیٰ نے زبانِ قال سے وہ الفاظ کہلوا دیے۔ سبحان اللہ! کیا پیغمبرانہ شانِ عبدیت ہے! بندہ ہونے کا مطلب، بندگی کا مفہوم، بندہ پن کسے کہتے ہیں، کیسے طرز و اندازِ یونس علیہ السلام سے مبرہن وروشن ہے! انبیاء کاملین کے ساتھ اگر ایسے معاملات نہ ہوتے تو ہم ناقصین کو مفہوم بندگی کیا سمجھ آتا! غیر سلیم قلوب کے لیے ایسے واقعات کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے اور قلبِ سلیم والوں کو انہی واقعات سے کیسی لذّت، کیسا کیف وسرور، کیسا نشاط ہوتا ہے! کتنے کیسے عقدے وا ہوتے اور کیسے کتنے راز بے نقاب ہوتے ہیں! شعور واحساسِ خطا بھی پورا ہے اور اعترافِ خطا بھی! اکثر اوقات ہمیں بھی احساسِ خطا ہو جاتا ہے، لیکن ایک ایسا نفسانی مانع آڑے آ جاتا ہے کہ ''احساس'' سے ''اعتراف'' تک کا سفر طے نہیں ہو پاتا!

3 - مسلک ومشربِ یوسفی علیہ السلام

زلیخا نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا اور یوسف علیہ السلام نے اپنے دامن کو بچایا، لیکن اس بچ جانے پر بھی اپنے نفس کی نزاہت وعصمت ثابت کرنے کے بجائے ''وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ'' سے اپنے نفس کی براءت سے براءت کا اعلان کر رہے ہیں: ''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ'' سے نفس کی حقیقت

سمجھا رہے ہیں اور ''اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ'' سے بچنے کی علت ظاہر فرما رہے ہیں۔

معصومین عن الخطا والوں کا اگر یہ معاملہ رہا تو کون، کیسا، کہاں رہا جو زبانِ حال سے یا زبانِ قال سے ''اَنَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ'' کا دعویٰ کرے!

❹ -مشربِ محمدی ﷺ

حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مظہرِ اتم ومظہرِ کامل، بشری انسانی قالب میں کمالاتِ انسانی کی وہ بلندترین چوٹی کہ جس سے زیادہ انسانی عظمت و بلندی کا سوال ہی نہیں، جس ہستی کا مقامِ عالی یہ کہ ''وَمَا یَفْعَلُ عَنِ الْھَوٰی'' تو درکنار ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی'' کی سند پائے ہوئے ہیں، لیکن اسے یہ رنج وغم مستقل رہتا ہے کہ کوتاہیاں ہوئی ہیں اور غم بھی اس قدر کہ اس غم کا ایک ذرہ اگر ہمارے قلوب پر پڑ جائے تو ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں، اس غم کی ایک چھینٹ پڑ جائے تو قلوب جل کر راکھ ہوجائیں!

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب عبدِ کامل رسول ﷺ کی تسلی واطمینان کے لیے یہ آیتِ مبارکہ اُتاری:

''لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ''

اس آیت میں لفظِ ''ذنب'' اپنے اندر کس قدر معنویت سموئے لپیٹے ہوئے ہے!

حضور ﷺ ان باتوں کو جن پر ''ذَنْب'' کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، کمالِ معرفتِ خداوندی اور کمالِ بندگی، کمالِ عشق سے انہیں بھی ''ذَنْب'' ہی خیال فرما رہے ہیں اور حق تعالیٰ کا کیسا تعلقِ خاطر ہے کہ فرمایا: (اے نبی ﷺ! آپ جس کو ''ذَنْب'' خیال فرما رہے ہیں) ان سب اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کردیا!

فرض نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد اللہ اکبر، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ فرمانے میں کیا اس بات کا اظہار نہیں کہ اے اللہ! آپ کی عظمت، آپ کی بڑائی بہت ہی زیادہ ہے اور ہم سے حقِ بندگی ادا نہ ہوا، اس پر معافیوں کے طلب گار ہیں! سبحان اللہ! ہر ہر قول، ہر ہر فعل سے عبدیتِ کاملہ مترشح ہورہی ہے!

احوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تائیداتِ الٰہیہ اور صحبتِ نبوی کی برکت سے ایک خاص رنگ چڑھا ہوا تھا، ان تائیداتِ الٰہیہ وصحبتِ نبویہ کے باوصف جس رنگِ محمدی کے Shade کو اُن کی ذات وحیات میں جھلکتا ہوا دیکھنے والوں نے دیکھا اور جنہوں نے خود کو قصد وارادہ سے اندھا بنالیا تھا یا ان کی یرقان زدگی نے انہیں وہ رنگ دکھایا بھی تو کسی اور رنگ میں، وہ رنگ وہ لون تھا ''رنگِ عبدیت''، ''رنگِ اعترافِ قصور'' جو سراجاً منیرا ﷺ کے فیض سے ہر صحابیؓ / صحابیہؓ کی شخصیتوں کے شیشوں میں سے جھلکا جو اپنی اصل میں ''واحد'' اور ہر ایک کے شخصی Mould شاکلہ کی وجہ سے ''کثیر'' ہوگیا، نورِ واحد مختلف رنگ کے شیشوں میں سے منعکس ہوکر ''کثیر'' شکلوں میں

ظاہر ہوا، اس رنگِ اعترافِ قصور کے اظہار کے لیے صرف چند باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

①-حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

مسند احمد کی ایک صحیح حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جو نصیحتیں فرمائیں، اس میں ایک نصیحت یہ بھی موجود ہے: ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' اپنی خطا پر روؤ، آنسو بہاؤ۔ یہاں رونے اور آنسو بہانے سے مراد ندامت وشرمندگی ہے اپنی خطاؤں معصیتوں پر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف مواقع پر مختلف پیرائے میں نصیحتیں وصیتیں فرمائی ہیں، ان میں بے شمار اسرار ورموز ہیں، بہرکیف! یہاں اس کا موقع نہیں ہے، عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو کی گئی نصائح میں یہ جو ایک نصیحت ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' ہے، یہی میرا موضوع ہے کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک راستہ ایک طریق ایک شاہراہ ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' سے بھی کھلتی ہے اور بہتوں کے لیے یہ راہ اسی طرح کھلتی رہی ہے۔

②-اعترافِ قصور والوں کے لیے بشارتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس آدمی کے لیے خوشخبری ہو جس نے اپنی زبان کو قابو میں رکھا، اور اس کے گھر نے اس کو سموئے رکھا اور وہ اپنی خطاؤں (وگناہوں) پر رویا (یعنی شرمندہ ہوا): ''وَبَكٰى عَلٰى خَطِيْئَتِهٖ''

③-حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا وصال کے وقت اعترافِ قصور

مسند احمد ہی کی ایک اور حدیث میں ایک صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے وصال کا جو واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے دیکھا کہ والد پر ایک شدید گھبراہٹ طاری ہے: جَزَعًا شَدِيْدًا، بیٹے نے دریافت کیا کہ: مَا هٰذَا الْجَزَعُ؟ یہ گھبراہٹ اور پریشانی کیسی؟ آپ کو تو یہ مقام ومرتبہ حاصل رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے قریب بٹھاتے اور مختلف علاقوں میں عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اَيْ بُنَيَّ! قَدْ كَانَ ذٰلِكَ'' بیٹے! یہ سب کچھ ہوتا رہا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ کا میرے ساتھ یہ تعلق مجھ سے محبت کی وجہ سے تھا یا میری تالیفِ قلبی کے لیے تھا: ''اِنِّيْ وَاللهِ مَا اَدْرِيْ اَحُبًّا ذٰلِكَ كَانَ اَمْ تَاَلُّفًا يَتَاَلَّفُنِيْ.''

حدیث کے آخر میں یہ فرمایا کہ: ''اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَنَا فَتَرَكْنَا'' یا اللہ! تو نے ہمیں حکم دیے، ہم نے ان کی پرواہ نہ کی اور ''نَهَيْتَنَا فَرَكِبْنَا'' تو نے ہمیں بہت سے کاموں سے روکا، مگر ہم ان کا ارتکاب کرتے رہے، ''لَا يَسَعُنَا اِلَّا مَغْفِرَتُكَ'' ہم تو تیری مغفرت ہی کے اُمیدوار اور طلب گار ہیں۔ یہی کہتے ہوئے اور اسی حالت میں وہ انتقال کر گئے۔

④-حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ملائکہ کے درمیان مشہور

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر تھے کہ اچانک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آتے ہوئے دکھائی دیے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! هٰذَا اَبُوْذَرٍّ قَدْ اَقْبَلَ'' یہ جو آرہے ہیں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَوَ تَعْرِفُوْنَهٗ؟'' کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ آپ تو آسمانی مخلوق ہیں، مدینہ کے لوگوں کو آپ کیسے جان گئے؟ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آپ نے کیسے پہچان لیا؟ عرض کیا: ''هُوَ اَشْهَرُ عِنْدَنَا مِنْهُ عِنْدَكُمْ'' مدینہ میں ان کی جتنی شہرت ہے، اس سے زیادہ یہ آسمان میں ہم فرشتوں کے درمیان مشہور ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بِمَا ذَا نَالَ هٰذِهِ الْفَضِيْلَةَ؟'' یہ فضیلت ان کو کیسے ملی؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ: ان کو یہ فضیلت دو اعمال سے ملی ہے، ایک تو یہ ''لِصِغَرِهٖ فِيْ نَفْسِهٖ'' یہ دل میں اپنے کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ دوسرا عمل ان کا یہ ہے: ''وَكَثْرَةِ قِرَاءَتِهٖ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' کہ یہ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' (سورۂ اخلاص) کی تلاوت بہت کرتے ہیں۔(التفسیر الکبیر للرازي، منقول از علاجِ کبر لمولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

احوالِ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم

①-حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بارش کی دعا کروانے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: اس بستی میں جو بارش نہیں ہورہی، وہ میری ہی بداعمالیوں کی وجہ سے نہیں ہورہی، اگر میں بستی سے نکل جاؤں گا تو بارش ہوجائے گی اور وہ بزرگ بستی سے باہر نکلے اور بارش شروع ہوگئی۔

②-حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقامِ عبدیت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تھے، کسی نے اعلان کیا کہ اس مسجد میں جو سب سے زیادہ نالائق، بدترین، گناہ گار اور برا انسان ہو، وہ جلدی سے مسجد سے باہر آجائے۔اس مسجد میں جتنے نمازی تھے، ان میں جو سب سے بڑے بزرگ تھے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے وہ باہر آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ تمام مسلمانوں میں میں ہی بدترین مسلمان ہوں۔

③-حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حافظ مدرس کا مقام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک حافظ جی مدرسے کے بچوں کو پڑھاتے تھے اور

جب کبھی بچوں کو مار پیٹ کر لیتے تو فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی خواہ ہوجاتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ یہ حافظ جی ہمیں دے دیجیے، ہم انہیں اپنے ساتھ لے جائیں، وہاں یہ پڑھائیں تو حضرت نے فرمایا: ایک ہی تو مسلمان ہے میرے پاس، وہ بھی تمہیں دے دوں!

۴-ایک بزرگ کا حال

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ: میں اپنی معصیتوں کا اثر اپنی بیوی، غلام اور گھوڑے کے اخلاق میں محسوس کرتا ہوں۔

۵-ایک بزرگ کی نسبتِ عبدیت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ایک بزرگ جب ٹرین میں سوار ہوتے تھے تو حق تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے تھے کہ: میری بداعمالیوں کی نحوست کی وجہ سے یہ ٹرین حادثہ کا شکار نہ ہوجائے۔

۶ حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات

سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں اور رفاعیہ سلسلہ حضرتؒ سے ہی منسوب ہے۔ حضرتؒ نے صوفیاء کے جس گروہ کو سب پر ترجیح دی ہے، وہ ذلت وانکسار والوں کا گروہ ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو ہمارے نزدیک ''اسہل''، ''اقرب''، ''اسلم'' ہونے کی تینوں خصوصیات (Qualifications) کا حامل ہے!

حضرتؒ نے اپنی کتاب ''البنیان المشید'' (مترجم مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ) میں فرمایا کہ:

''اے بزرگو! (صوفیاء کی) جماعتیں آج کل مختلف پارٹیاں بن گئی ہیں (کوئی اپنے کو صاحبِ حالات کہتی ہے، کوئی صاحبِ مقامات بتلاتی ہے، کوئی وحدۃ الوجود کا دم بھرتی ہے، کوئی فناء وبقاوغیرہ کا) مگر یہ ناچیز احمد (رفاعیؒ) تو ذلت وانکسار والوں اور مسکنت اور بے قراری والوں کے ساتھ رہے گا، (مجھے) اس کے سوا کچھ پسند نہیں۔

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمهم   و للعاشق المسكين مايتجرعُ

''دولت والوں کو ان کی دولت مبارک ہو اور عاشقِ مسکین کو ذلت ومسکنت کے تلخ گھونٹ مبارک ہوں۔''

اس راہِ اعترافِ خطا وقصور پر چلنے والوں کی حالتِ باطنی جن احوال سے رنگین رہتی ہے، اسی جانب اشارہ حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا کہ:

''میرا حشر فرعون وہامان وقارون کے ساتھ ہو، اور مجھے وہی عذاب پکڑے جس نے ان کو پکڑا

تھا، اگر میرے دل میں یہ خطرہ بھی آئے کہ میں اس جماعت کا شیخ ہوں، یا ان کا سردار ہوں، یا مجھے اس بات کا وسوسہ بھی آئے کہ میں ان ہی میں سے ایک درویش ہوں، بھلا ان باتوں کی طرف اس شخص کا نفس کیونکر بلا سکتا ہے جو لاشئے ہے، (کچھ نہیں) کسی کام کے قابل نہیں، کسی گنتی اور شمار میں نہیں۔‘‘

حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامات میں سے ایک بڑی علامت اپنے عیوب کا استحضار اور اپنی کم حیثیتی پر نگاہ ہونا بیان فرمایا ہے، جیسا کہ رقم طراز ہیں کہ:

’’اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت کرتے ہیں، اُس کو وہ عیوب دکھلا دیتے ہیں جو خود اس کے اندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت کرتے ہیں، اس کے دل میں تمام مخلوقات کی محبت و شفقت پیدا کر دیتے ہیں، اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے ہیں اور اس کے نفس میں بلند ہمتی (اور چشم پوشی) پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگے اور کسی قابل نہ سمجھے۔‘‘

سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طریقِ اعترافِ خطا وقصور یا طریقِ ذلت وانکسار ہی کو حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب، روشن اور محبوب راستہ سمجھا اور سمجھایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

’’(دوستو!) میں نے اپنی جان کھپا دی اور کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو، اور صدقِ نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح (راستہ) ہونا معلوم نہ کر لیا ہو، مگر سنتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے، اور ذلت وانکسار والوں کے اخلاق پر چلنے، اور سراپا حیرت واحتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) زیادہ محبوب نہیں پایا۔

صدیقِ اکبر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا (کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کر سکتا ہے، انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے، اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی، اللہ تعالیٰ کے پانے سے اپنی عاجزی (اور کمزوری) کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا پالینا ہے۔

بزرگو! میں نے کوئی مشکل راستہ اور سہل طریقہ نہیں چھوڑا جس کے پردے نہ کھولے ہوں اور لشکرِ ہمت کے ہاتھوں سے اس کے بادبان نہ اُٹھا دیے ہوں، میں نے ہر دروازہ سے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنا چاہا، مگر ہر دروازہ پر بہت زیادہ ہجوم پایا، تو میں ذلت وانکسار کے دروازہ سے پہنچا، اس کو میں نے خالی پایا، اور اسی سے واصل ہو کر اپنے مطلوب کو پالیا، دوسرے طالب

(ابھی تک) دروازوں ہی پر کھڑے تھے، (کسی کو دربار تک رسائی نصیب نہ ہوئی تھی) مجھے میرے پروردگار نے اپنے فضل وعطاء سے وہ دیا، جس کو اس زمانہ میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال گزرا۔‘‘

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ الوانِ نسبت کا حصول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسبتوں کی کئی ایک قسمیں ’’ہمعات‘‘ میں لکھی ہیں، جیسے نسبتِ طہارت، نسبتِ عشق اور نسبتِ سکینہ، وغیرہ۔ ان نسبتوں کے متعلق یہ فرمایا کہ: یہ نسبتیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، یعنی ایک نسبت کے حصول سے اس کے ضمن میں ہی دوسری نسبتیں بھی اس میں بیدار ہوجاتی ہیں۔

’’نسبتِ اعترافِ قصور‘‘ یا ’’نسبتِ عبدیت‘‘

راقم آثم کے نزدیک اس نسبت کا نام ’’نسبتِ اعترافِ قصور‘‘ رکھ لیں، ’’نسبتِ عبدیت‘‘ کہہ لیں، عنوان چاہے کسی قدر مختلف ہوں، معنون ایک ہی ہے۔ بقول شخصے:

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُکَ وَاحِدٌ
وَ کُلٌّ إِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

اس نسبت کے حصول سے باقی ساری نسبتیں اس کے ضمن میں حاصل ہوجائیں گی، اگرچہ غلبہ کسی ایک نسبت کو ہو!

اس نسبت کی علامات کیا ہیں؟

❶- ایسے آدمی سے کبھی دعویٰ نہیں سنا جاتا اور اگر کبھی کسی پوشیدہ حالت کا اظہار ہوجائے یا دعویٰ منہ سے نکل جائے تو خلوت میں فوراً مالک کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافیوں میں مشغول ہوجاتا ہے۔

❷- بعض صوفیاء سے جیسے کرامات کا صدور ہوتا ہے اور کثرتِ خلق کو برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن ایسے شخص کو برکت تو درکنار اپنی نحوست کا ایسا یقین ہوتا ہے کہ دل کبھی بھی اپنی کسی برکت، کرامت کے متعلق بات پر یقین نہیں کرتا اور اس کی وجہ کفرانِ نعمت نہیں، بلکہ اس حالت کا غلبہ ہے۔

❸- ایسے اشخاص حق تعالیٰ سے دعاؤں میں اپنی بداعمالیوں کی نحوست سے مخلوقِ خدا کو بچائے رکھنے کی التجاؤں میں مشغول رہتے ہیں اور یہ اُن کی عارضی حالت نہیں، بلکہ مستقل حالت رہتی ہے۔

❹- اگر ان کے کسی متعلق پر کوئی مصیبت یا آزمائش آتی ہے تو یہ اسے صرف اور صرف اپنے اعمال کی نحوست کا شاخسانہ خیال ہی نہیں بلکہ یقین کیے ہوتے ہیں اور کوئی شے انہیں اس بات سے ہٹا نہیں

پاتی، کیونکہ یہ ان کا مستقل حال ہے۔

❺-اگر اَنفُس یا آفاق میں کوئی بھی اختلال یا انتشار بر پا ہوتا ہے، یہاں تک کہ سیاسی، معاشی، عائلی کسی بھی طرح کے حالات کی خرابی کو اپنے اعمال کی نحوست پر ہی محمول کرتے ہیں۔

❻-انہیں کبھی کسی بھی شخص سے معافی مانگتے ہوئے عار نہیں آتی، یہاں تک کہ اپنے چھوٹوں سے، اپنے گھر والوں سے بھی معافی مانگتے ہوئے کوئی مصلحت ان کے درپیش نہیں ہوتی، بلکہ اس حال کا رسوخ انہیں ایسی مصلحتوں کی طرف التفات نہیں کرنے دیتا، یا اگر کبھی کوئی مصلحت ان کی توجہ اپنی جانب کھینچتی بھی ہے تو ان کا یہ حال اس پر غالب آکر رہتا ہے۔

❼-ایسے اشخاص سے اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا ہے تو یہ اسے جلد بیعت کر لیتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ ان کی وجہ سے انہیں احتمالاً نہیں، بلکہ یقیناً برکات نصیب ہوں گی اور روزِ محشر معافی مل جائے گی۔

❽-یہ عالمِ مکاشفہ میں اور خوابوں میں زیادہ تر اپنے آپ کو بری حالت میں ہی دیکھتے ہیں، کبھی انہیں حشر میں اپنا آپ جیسے انہیں گھسیٹ کر حق تعالیٰ کے سامنے مجرم کے طور پر لایا جارہا ہے، یہ مشاہدہ یا اس قسم کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں۔

❾-انہیں عجب و کبر پیدا نہیں ہو پاتا، کیونکہ پندار جہاں سے پھوٹتا ہے، یہ اُسے جڑ سے اکھیڑ چکے ہوتے ہیں۔

❿-حق تعالیٰ کی جانب سے ان کی تسلیوں کا خوب سامان کیا جاتا ہے، وگرنہ ان کا کلیجہ اپنے عیوب و ذنوب کے استحضار کے بوجھ سے پھٹ جائے۔ اتنے تسلی آمیز الہامات اور بشارتوں کے باوجود انہیں کبھی عجب پیدا نہیں ہوتا۔

⓫-یہ زیادہ تر قدمِ ابراہیم علیہ السلام پر ہوتے ہیں۔

⓬-اگر کوئی شخص ان پر کوئی احسان کرتا ہے تو حق تعالیٰ کے سامنے ان کا گریہ و بکا اور بڑھ جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنی حالت کو بدترین خیال کررہے ہوتے ہیں اور کسی بھی طرح کے احسان کے خود کو لائق نہیں سمجھتے۔

⓭-ان کی پہچان اس لیے بھی مشکل ہے کہ ان کے باطنی اعمال ظاہری اعمال سے زیادہ ہوتے ہیں۔

⓮-ان میں سے زیادہ کی غالب حالت یہ رہتی ہے کہ گریہ و بکاء کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے خلوتوں میں خوب تڑپتے روتے ہیں۔

⓯-ان کا حضور مع اللہ کامل ہوتا ہے۔

⓰-حق تعالیٰ کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا انہیں کامل استحضار رہتا ہے، جن نعمتوں کی طرف عمومی طور پر توجہ نہیں جاتی، انہیں ان کا بھی استحضار رہتا ہے۔

⓱ - یہ کبھی کسی کے لیے بد دعا نہیں کر پاتے، یہاں تک کہ اپنے دشمنوں کے لیے بھی نہیں، اگرچہ ان کی باطنی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اگر کبھی اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ضرور پورا کریں، لیکن انہیں کبھی بھی اپنی حالت پر بھروسا نہیں ہوتا۔

⓲ - حقیقتِ ''رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا'' ان پر روشن ہوجاتی ہے۔ کسی بھی غم، دکھ، تکلیف یا عذاب میں انہیں جیسے ہی حق تعالیٰ کی یاد آتی ہے، دھیان آتا ہے، غموں، دکھوں، عذابوں سے تمتمایا ہوا دل یکلخت خنک ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا Soothing Effect نصیب ہوتا ہے جسے بیان کرنے کے لیے، جس کی تعبیر کے لیے الفاظ کا سہارا بے کار ہے!

اس نسبت کے حصول کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

① - بتکلف، بہ جبر اور زور زبردستی سے ہی سہی، ہر نماز کے بعد دعا میں حق تعالیٰ کے سامنے خوب روئے اپنی خطاؤں پر اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنائے رکھے، تاکہ ظاہر کا اثر باطن پر ہو اور دل کی زمین نرم ہوکر حق تعالیٰ کی رحمت کی بارش کو خوب جذب کرلے۔

② - اَنفُس و آفاق میں، قومی، ملکی، عالمی سطح پر جس بھی طرح کے حالات کی اَبتری کا علم ہو، فوراً دل ہی دل میں اپنے اللہ کے سامنے اپنی خطاؤں کا معترف ہوکر خوب معافیاں مانگے اور جبر سے خود کو یہ باور کرائے کہ میرے وجود کی ناپاکی ہی ہر خرابی کی وجہ ہے۔

③ - حق تعالیٰ سے یہ دعا ضرور مانگتا رہے کہ میری بدعملیوں کی نحوستوں سے میرے متعلقین، گھر والوں اور دوست احباب کو بچائے رکھیں۔

④ - اپنے بھائیوں کے لیے غیب میں خوب حق تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہیں۔

⑤ - سورۂ فاتحہ سے خاص تعلق پیدا کرے، کیونکہ اسی دروازے سے قرآن کریم میں داخلہ ہوتا ہے۔ ساری فتوحاتِ قرآنیہ، سورۂ فاتحہ ہی سے ممکن ہوتی ہیں۔

ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے دوران ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' پر خوب معنی کے استحضار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھے اور ہر اگلی آیت کے معنی کو خوب گہرا کرکے قلب میں سے اور اپنے پورے وجود میں سے گزارتا ہوا آگے بڑھتا رہے۔

⑥ - اگر دل میں کبھی کسی سے کوئی رنج پہنچنے کی وجہ سے تکدُّر یا وحشت یا نفرت کا اثر ہو، فوراً قلب سے ان اثرات کو کھرچیں، تاکہ وہ راسخ نہ ہو پائیں، وگرنہ یہ ایسا قوی مانع ہے کہ اس نسبت کو راسخ نہیں ہونے دے گا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

درجاتِ تخصُّص

مولانا عبداللہ نجیب
بغورا، بنگلہ دیش

مطلوبہ استعداد و اہداف اور راہنما امور

مرحلۂ تخصص آج کل کے مدارس کے نصابِ تعلیم کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں جماعتِ مشکوٰۃ ہی اعلیٰ تعلیم کا سب سے بڑا درجہ سمجھا جاتا تھا، پھر دورہ حدیث کے نام سے ایک الگ جماعت کا اضافہ کیا گیا، اور بعد میں تخصصات (یعنی اعلیٰ درجہ کی تعلیم) بھی اس کے ساتھ شامل کر دیے گئے۔ ذہین اور ہوش مند طلبہ کے درمیان اعلیٰ تعلیمی ادارے میں داخلہ لینے اور تخصص کرنے کا رجحان وتوقع ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ وہ ثانوی مراحل سے ہی اپنے اہداف مقرر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے حصول کے لیے سخت محنت اور جد و جہد کرتے ہیں۔ تکمیل کے مرحلہ میں پہنچنے کے بعد ان کا یہ رجحان ایک منفرد سمت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے طلبہ بارہا یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر وہ تخصص کرنا چاہتے ہوں تو اس کی تیاری کیسے کریں؟ کن کن موضوعات پر امتحان لیا جائے گا؟

غور سے دیکھا گیا ہے کہ اس طرح کے طلبہ کے درمیان تمام میلان اور چاہتوں کا مرکز تخصص کے امتحانات کی تیاری کرنا اور اس میں کامیاب ہونا ہے، یہ طلبہ اپنی تمام تر محنت اسی پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ہر ایک اپنے منتخب کردہ فن میں کامیاب ہونے کے لیے پوری لگن سے محنت کرتا ہے۔ اس مقالے میں تخصصات کے امتحانات کی تیاری اور ان میں کامیاب ہونے کے طریقوں کے ذکر کے بجائے اس سے بھی زیادہ اہم موضوع پر گفتگو کریں گے، یعنی تخصص پڑھنے سے پہلے اپنے اندر کون کون سی صلاحیتیں ہونی چاہئیں؟ اور انہیں حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ان شاء اللہ۔

مقصود فن کی تیاری کے مرحلے کی پڑھائی

کسی فن کی گہرائی میں جانے سے پہلے اس کی مبادیات پڑھنی پڑتی ہیں اور فن کی معاون معلومات

بھی حاصل کرنی پڑتی ہیں، ورنہ فن کے اصل مقصود تک پہنچنا ناممکن سا ہو جاتا ہے، اور فائدے کے بجائے نقصان کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ اہلِ علم کے نزدیک ایک مسلم قاعدہ ہے۔ ہمارے درسِ نظامی میں بھی اصل فن میں داخل ہونے سے پہلے تیاری کے مرحلے میں کچھ مبادیاتِ فن پڑھائی جاتی ہیں۔ درسِ نظامی کے نظام میں علومِ اسلامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: علومِ عالیہ اور علومِ آلیہ۔ پہلی قسم کے علم کو علومِ مقصودہ کہا جاتا ہے، جبکہ دوسری قسم وسط درجے کا علم ہے، جیسے: علمِ نحو، علمِ منطق، وغیرہ۔ یہ سب دوسری قسم کے علوم میں شامل ہیں، جو علومِ مقصودہ حاصل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان فنون کو پڑھنے اور پڑھانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ علومِ مقصودہ کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور ان کا احاطہ کیا جائے۔ نتیجتاً، جو شخص ان فنون میں جتنی مہارت حاصل کرے گا، وہ علومِ مقصودہ میں اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

تخصص، تحصیلِ علم کا اعلیٰ درجہ ہے، ایک طرف یہ درجہ بہت زیادہ اہم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت بھی ناقابلِ انکار ہے۔ دوسری طرف، یہ بہت محنت اور مجاہدہ چاہتا ہے، اس کے لیے اور زیادہ تیاری اور مہارت چاہیے، کیونکہ تخصص کا اصل ہدف باقاعدہ معیاری تحقیقی کام سیکھنا اور اسے انجام دینا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی خاص کتاب کو پڑھنا اور پڑھانا، اور کسی خاص موضوع پر باقاعدہ معیاری تحقیقی کام کرنا، دونوں کاموں میں بہت فرق ہے، اسی وجہ سے تخصصات کے لیے صرف عبارت خوانی اور عبارت فہمی کی استعداد کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اور بہت ساری مہارتیں حاصل کرنا لازمی ہیں، لہٰذا تخصص میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ مہارتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

درسِ نظامی کا طریقۂ تدریس

تخصص کا مرحلہ درسِ نظامی کے بعد آتا ہے۔ درسِ نظامی ہمارے اندر ملکہ اور استعداد پیدا کرتا ہے، لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہماری پڑھائی کا جو طریقہ آج کے زمانے میں رائج ہے، اس میں ہم تخصصات کے لیے کس حد تک تیار ہو رہے ہیں؟ اس سوال کا واضح جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں درسِ نظامی کے طریقۂ تدریس اور ہمارے موجودہ طرزِ تعلم پر نظر ڈالنی چاہیے۔

درسِ نظامی کے بانی کے طور پر ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۱۶۱ھ) کا نام مشہور ہے، اگرچہ نصاب تیار کرنے کا اصل کام ان سے پہلے ان کے والد ملا قطب الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۱۰۳ھ) نے نصابِ درس کے ذریعے شروع کر دیا تھا۔ مشہور مؤرخ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''درسِ نظامیہ اگرچہ ملا نظام الدین صاحبؒ کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک نسل پیچھے سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد، جن کا نام ملا قطب الدین تھا۔'' (مقالاتِ شبلی: ۱۱۱-۱۱۳)

ملا قطب الدینؒ کے طریقۂ تدریس کے حوالے سے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں: ''ملا صاحبؒ نے درس کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا تھا، جو اُن کا قائم کردہ تھا۔ وہ ہرفن کی صرف ایک جامع اور مستند کتاب پڑھاتے تھے، جس کے ذریعے شاگرد کو تمام مسائل پر مجتہدانہ عبور حاصل ہو جاتا تھا، رسالۂ قطبیہ میں ہے: ''مولانا شہید ملا قطب الدینؒ از ہرفن یک یک کتاب می خوانیدند، وشاگرداں محقق می شدند۔'' ملا نظام الدین اور مولانا بحر العلوم نے اس نصاب پر اضافہ کیا۔ (مقالاتِ شبلیؒ: ۱۱۱-۱۱۳)

ملا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تدریس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے درس کی بنیاد صرف کتاب اور اس کی عبارتوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ ان کا درس تحقیقی اور فنی انداز میں ہوا کرتا تھا، اس کے نتیجے میں شاگرد اس موضوع میں محقق بن جاتے تھے۔

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ تدریس

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تدریس کی تفصیلات معلوم نہ ہونے کے باوجود یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ان کے والد کے طریقۂ تدریس کے مشابہ تھا۔ اس سلسلے میں علامہ عبدالحئی حسنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اب طریقۂ تعلیم بگڑ گیا ہے۔ ملا نظام الدینؒ کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے طرزِ تعلیم نے کمال الدین، بحر العلوم، حمد اللہ جیسے اہلِ کمال پیدا کیے تھے۔'' (اسلامی علوم وفنون، صفحہ: ۳۱-۳۲)

درسِ نظامی کا ایک کامل وارث حجۃ الاسلام قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کیا، جو دارالعلوم دیوبند کے واسطے سے اپنی تکمیل کو پہنچا۔ وہ خود بھی فنی انداز میں درس دیتے تھے اور خاص طور پر ذہین شاگردوں کے لیے فن کو ہی اصل بنا کر پڑھاتے تھے۔

مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعے کے ضمن میں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب طالب علم عبارت پڑھ لیتا تو حضرت فرماتے: ''اس مسئلے میں قاسم کی رائے یہ ہے۔'' کتاب نہیں سمجھاتے تھے، کیونکہ اس زمانے میں طلبہ کتاب حل کر کے سبق میں آتے تھے، اس لیے جو عبارت پڑھی گئی ہے، اس مسئلے میں حضرت اپنی رائے بیان کرتے تھے۔''

(تحفۃ القاری، جلد: ۱، صفحہ: ۳۳۸)

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا طریقۂ تدریس' فنی اور تحقیقی تھا، جہاں فن ہی اصل مقصد اور ہدف ہوتا تھا، جبکہ کتاب واسطہ اور معاون کا کردار ادا کرتی تھی، لیکن بعد کے زمانے میں یہ طریقۂ تدریس باقی نہ

رہا، جیسا کہ علامہ عبدالحئی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''اب طریقۂ تعلیم بگڑ گیا ہے، اب فن کے بجائے کتاب کو اصل بنالیا گیا ہے۔ کتاب حل کرنا اور عبارت فہمی ہی درس کا اصل ہدف بن چکا ہے۔''

ابتدائی مرحلے سے دورۂ حدیث تک ایک ہی طریقے سے درس دیا جاتا ہے۔ اس طریقے کا اپنا فائدہ اور اہمیت ہے، کیونکہ یہ درست ہے کہ ہر جگہ لمبی فنی تقریر مقصود نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات نقصان دہ ہوسکتی ہے، لیکن جہاں طلبہ میں فنی استعداد پیدا کرنے کی ضرورت ہو، وہاں صرف عبارت حل کرنے تک محدود رہنا قابلِ قبول نہیں ہے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ تدریس

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دورۂ حدیث کے طریقۂ تدریس میں تبدیلیاں لائیں، وہ کسی خاص کتاب تک محدود نہ رہتے، بلکہ موضوع وار تحقیق اور فنی تقریر پیش کرتے تھے۔ اس حوالے سے علامہ انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ درس' حدیث کی ضروری وضاحت سے زیادہ نہیں تھا۔ مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ نے اس میں فقہِ حنفی کے مآخذ کی نشاندہی کا اضافہ کیا، لیکن مولانا کشمیری قدس سرہ العزیز نے عام درس گاہی طریقِ درس میں یکسر انقلاب برپا کیا، آپ نے حدیث کی شرح وتفصیل میں صرف ونحو، فقہ واصولِ فقہ، معانی و بلاغت، اسرار وحکم، سلوک و تصوف، فلسفہ وسائنس وعصری علوم کا ایک گرانقدر اضافہ، رجال کی بحثیں، مصنفین ومؤلفین کی تاریخ اور سوانح، تالیفات وتصنیفات پر نقد وتبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا، اس کے نتیجے میں درسی تقریریں بجائے مختصر ہونے کے طویل ہوگئیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت سے متعلق اپنے طویل مقالے میں لکھا ہے: ''حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام دروس میں نہیں تھیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا اندازِ درس علمی دنیائے درس و تدریس میں ایک عظیم انقلاب ثابت ہوا۔'' (نقشِ دوام، صفحہ: ۱۴۷-۱۴۹)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسلوبِ تدریس اور عمومی حال

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فنی اور تحقیقی طویل تقریروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا، لیکن کچھ عرصے بعد اس طریقۂ تدریس میں بھی فنی اور علمی اصول وضوابط کی مکمل رعایت نہیں کی گئی۔ عبارت کے ساتھ کچھ نکات اور فوائد پر مبنی تقریریں دروس کا محور بن گئیں، الا ماشاء اللہ، کچھ لوگ اس رجحان کے خلاف تھے۔ بہر حال

عصرِ حاضر میں درسِ نظامی کا طریقۂ تدریس زیادہ تر کتاب اور عبارت تک محدود ہے۔ عبارت حل کرنے کو ہی سب سے بڑی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی فکر ہر جگہ غالب ہے، اسی وجہ سے درسِ نظامی کی کتابوں کی شروحات میں عام طور پر عبارت کے ساتھ متعلقہ تقریر کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔

آج کے طلبہ درسِ نظامی میں تقریباً دس سال تک پڑھتے ہیں، عبارت حل کرنے میں بہت زیادہ انہماک سے کام لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ بین السطور اور حواشی بھی دیکھ لیتے ہیں، لیکن اس لمبے عرصے کی پڑھائی کی وجہ سے ہماری فکر، جذبہ، ذہن و دماغ اور مزاج سبھی عبارت اور کتاب کے متعلق بن جاتے ہیں۔ نتیجتاً جب ہم تخصص میں آتے ہیں، تو کتاب اور عبارت کو ہی اصل ہدف بنا لیتے ہیں اور اسی کے حل کرنے کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تخصص کے مرحلے کو ختم کرنے کے بعد بھی ہمارے اندر بحث وتحقیق کا مزاج پیدا نہیں ہو پاتا، نہ ہی الگ سے بحث وتحقیق کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ نتیجتاً تخصص کے مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد بھی تحقیقی کاموں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تخصص کا اصل ہدف اور کام

تخصص کے مرحلے کا اصل ہدف اور کام کیا ہے؟ یہ نکتہ واضح ہونا ضروری ہے۔ ہمارے اس خطے میں تخصص کے موجودہ رجحان کے باضابطہ موجد علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ انہوں نے رسالہ ''درجۂ تخصص کے قواعد وضوابط'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> ''قدیم طرزِ تعلیم کے تحت علم حاصل کرنے والے علماء میں بھی متخصص ہوا کرتے تھے، اور جدید طرزِ تعلیم میں بھی تخصص اور ڈاکٹریٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان اسباب اور حالات کے پیشِ نظر یہ ضروری تھا کہ دینی درسگاہوں میں موجود اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کوئی اقدام کیا جائے۔''

تخصص کا طریقۂ تدریس اور طریقۂ مطالعہ کیسا ہونا چاہیے؟ اس معاملے میں علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل اصول بیان کرتے ہیں:

> ''۱- کسی بھی کتاب کی تدریس سبقاً سبقاً لازم نہ ہوگی، بلکہ استاذ اپنی صواب دید کے مطابق کتب نصابِ تخصص میں سے جس کتاب یا اس کے کسی حصہ کو سبقاً پڑھانا ضروری سمجھے گا پڑھائے گا، ورنہ طلبہ استاذ کی مقرر کردہ ترتیب اور ہدایت کے مطابق خود کتب نصاب کی تیاری کریں گے اور امتحان دیں گے۔
>
> ۲- استاذ، مجوّزہ علم وفن کے مہمات مسائل وابواب کی فہرست بنا کر طلبہ کو دیں گے اور ان کی تیاری کے لیے اس علم وفن کی اہم ترین داخلِ نصاب اور غیر داخلِ نصاب کتابوں یا ان کے

ضروری ابواب و مباحث کا مطالعہ کرائیں گے اور اس مطالعہ اور تلاش و تحقیق میں طلباء کو جو مشکلات یا شکوک اور شبہات پیش آئیں گے، استاذ اُن کو حل کرائیں گے اور خود بھی ان مسائل و مباحث پر باقاعدہ تیاری کر کے تقریر و املاء کرائیں گے۔

۳- طلبہ اس مطالعہ و تحقیق کے ساتھ ساتھ ان مسائل و مباحثِ مہمّہ پر روزانہ اپنی یادداشتیں مرتب کرتے رہیں گے اور ہر ہفتہ کی یادداشتیں جمعرات کے دن استاذ کو دیں گے اور وہ ان کو دیکھ کر ان کے نقائص اور خامیوں سے طلباء کو آگاہ کر کے خود انہی سے اصلاح کرائیں گے۔‘‘

(ماخذ: حدیث کا دستور العمل اور دوسالہ روداد، صفحہ: ۵-۶)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی معین کتاب کو نہیں، بلکہ فن اور موضوعِ تخصص کو اصل نقطۂ نظر بنانا چاہیے۔ تخصص کا اصل ہدف بحث و تحقیق کے عمل کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے سفر کے دوران علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کا دورہ کیا، اور جامعہ کے تخصص کے شعبوں کا طریقۂ کار دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اس حوالے سے علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

’’الحمدللہ کہ موصوف کو مدرسہ دیکھ کر خوشی بلکہ حیرت ہوئی، ہمارے طلبہ کے تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے بعض مقالات کا جب اُن کو علم ہوا تو خواہش ظاہر فرمائی کہ دو مقالے جن میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر تھا، وہ ادارہ ازہر شریف کی طرف سے شائع کریں گے۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہمارے ایک گمنام ادارے کی حیثیت اتنی کر دی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی علمی یونیورسٹی اس کے طلبہ کے مقالات کو شائع کرنے کی خواہش کرتی ہے۔‘‘

(ماخذ: بصائر وعبر، جلد ثانی، صفحہ: ۲۵۹)

مظاہر علوم سہارنپور میں تخصصِ حدیث

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تخصص فی علوم الحدیث کا شعبہ کھولنے سے قبل مجلس شوریٰ نے تخصص کا نصاب اور نظام کے عنوان پر مشورہ کے لیے ایک خط تیار کیا۔ یہ خط ۱۵ مشہور علماء دین کو بھیجا گیا، اور ان کے جوابات کی روشنی میں ایک رپورٹ تیار ہوئی جو ’’شعبہ تخصصِ حدیث کا قیام اور مجلس شوریٰ کی تجویز‘‘ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ علامہ احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں تفصیلی جواب لکھا ہے۔ انہوں نے تخصص کے طلبہ کی سہولت کے لیے تحریر فرمایا:

’’مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں بیسیوں شعبوں میں ڈاکٹریٹ

کرا رہی ہیں اور ڈبل ڈبل کرا رہی ہیں، ان کے اسکالر یورپ و امریکہ میں بھی جا کر ڈبل ڈبل ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور وہ ملک ان اسکالروں کے مع اہل وعیال کے تین تین سال اور چار چار سال کے خرچ اُٹھاتے ہیں، ان کے مقابلہ میں اگر ہم بھی حوصلہ و ہمت کر کے اپنے تخصص فی الحدیث کے اسکالروں پر چند لاکھ سالانہ خرچ برداشت کرلیں تو علمِ حدیث کے شایانِ شان کارنامہ انجام پائے گا، ان شاء اللہ۔‘‘

(ماخذ: شعبہ تخصصِ حدیث کا قیام اور مجلسِ شوریٰ کی تجویز، صفحہ:۳۹)

درجہ تخصص کو ایم فل کے برابر بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادہ مولانا زاہد راشدی صاحب نے لکھا ہے کہ: ’’تکمیل کی نئی شکل تخصصات کی صورت میں ہے، جیسے یونیورسٹیوں میں خاص موضوع پر ایم فل ہوتا ہے، پھر کسی خاص موضوع پر پی ایچ ڈی ہوتا ہے، اس کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ ہم نے بھی اس کو تخصص کا نام دے دیا۔ (تخصصات کا تعارف وپس منظر)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تخصص کا اصل ہدف' بحث و تحقیق کا ملکہ پیدا کرنا اور تحقیقی کام سرانجام دینا ہے، صرف درس وتدریس اور عبارت خوانی مقصود نہیں۔

آئندہ اس موضوع پر مزید تفصیل سے لکھنے اور تخصص کے اعلیٰ معیار کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے فروغ پر کام کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

تخصص کی تیاریاں اور تمہیدی مہارتیں

اب تک یہ واضح ہو چکا ہے کہ تخصص' تعلیم کا ایک اعلیٰ مرحلہ ہے، اور اس مرحلے میں کامیابی کے لیے ضروری تیاریوں اور اہلیت کا حصول لازمی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تیاری اور تمہیدی مہارت کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تخصص کے لیے کتابی استعداد ایک بنیادی شرط ہے اور اسے لازمی سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے ریڑھ کی ہڈی بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن انسان صرف ریڑھ کی ہڈی کو لے کر کھڑا نہیں ہوسکتا، اس کے لیے ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضاء کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح کتابی استعداد کے ساتھ ساتھ دیگر مہارتیں حاصل کرنا بھی ضروری ہے، ان کو ہم ’’مبادئ التخصص‘‘ یا ’’الدراسات التحضيرية للتخصص‘‘ کہہ سکتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

❶ -نص فہمی اور اس کی تحلیل کی مہارت

کسی بھی علمی عبارت کو صحیح طور پر سمجھنا اور تشریح کرنے کی استعداد، دراصل کتابی استعداد میں شامل ہے۔ کتابی استعداد حاصل کرنے میں اصل مقصد تین چیزوں کو سمجھانا ہے:

۱-عبارت صحیح طور پر پڑھنا۔
۲-عبارت کے معنی اور مفہوم کو صحیح طور پر بیان کرنا۔
۳-اگر عبارت میں کوئی سوال یا اعتراض ہو، تو اسے تفصیل سے تحلیل کرنا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے ایک مقررہ قانون ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی عبارت کو صحیح پڑھنے کے لیے نحو اور صرف جیسے فنون پڑھائے جاتے ہیں، جن کی مدد سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ عبارت میں کوئی غلطی ہو رہی ہے یا نہیں؟ اساتذہ اس بات کی آسانی سے نشاندہی کر سکتے ہیں، کیونکہ قواعد ہر کسی کو معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم عبارت سے متعلق بعض امور (جیسے اسماء کا تلفظ یا مصطلحات کا تلفظ) سماع پر موقوف ہوتے ہیں، جن کے لیے الگ قوانین ہوتے ہیں۔ تینوں مقاصد کتابی استعداد کا پہلا مرحلہ ہے۔

کتابی استعداد کا دوسرا مرحلہ

کتابی استعداد کا دوسرا مرحلہ تھوڑا مشکل ہے اور وہ ہے عبارت کا فنی مطلب نکالنا۔ یہ آسان کام نہیں ہے، بلکہ محنت اور مجاہدہ چاہتا ہے، اور فنی قوانین وضوابط کی تطبیق لابدی ہے۔ اگر ان قوانین کی رعایت نہ کی جائے تو عبارت کی فنی تشریح کی استعداد حاصل نہیں ہو سکے گی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ عبارت کی صحیح تشریح اور تحریف میں فرق معلوم ہو اور تمیز پر قادر ہو۔

کتابی استعداد کا تیسرا مرحلہ

کتابی استعداد کا تیسرا مرحلہ دراصل دوسرے مرحلے کی تکمیل ہے، یعنی عبارت کی فنی تشریح کرنے کے بعد اگر اس کے متعلق سوالات یا اعتراضات ہوں، یا نقد واستدراکات کی ضرورت ہو تو ان کو حل کرنا۔

مذکورہ تین مراحل کو حاصل کرنے کے بعد کتابی استعداد اور عبارت فہمی کا مرحلہ عموماً مکمل ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کہاں تک یہ استعداد حاصل کر پاتے ہیں؟ جو طالب علم، تعلیم الاسلام کے مرحلے سے دورہ حدیث تک کسی نہ کسی طریقے سے صرف کتاب الطهارة پڑھتا ہے، اس کے لیے یہ بات غیر واضح نہیں رہتی کہ اس سے منسلک کسی بھی عبارت پر اعتراضات آئیں تو ان کا اُصولی جواب دینے پر قادر ہوگا، یہی معمول تھا، لیکن حقیقت میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ کتنے طلبہ اس استعداد کے ساتھ دورہ حدیث کی تکمیل کرتے ہیں؟

دورہ حدیث سے فارغ اور تخصص کے طلبہ کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان کے پاس اس نوعیت کی استعداد موجود ہو، کیونکہ تخصص کے دوران جب بحث وتحقیق کی جاتی ہے، تو ایک عبارت کی مکمل طور پر تشریح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں اصولی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے نصوص اور عبارت کی فہم اور تحلیل کرنی پڑتی ہے، تاکہ صحیح تشریح پیش کر کے غلط تشریح دور کی جا سکے۔

اگر تخصص سے پہلے یہ ابتدائی اور ضروری چیزیں حاصل نہ ہوں، تو بحث وتحقیق کو درست طریقے سے انجام دینا مشکل ہوگا۔

❷-مہارتِ تلخیص واستنتاج

ابتدائی استعدادوں میں سے دوسری اہم استعداد ہے: تلخیص تیار کرنے پر قادر ہونا۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایک تحقیقی کام میں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، صرف ایک مسئلے کے لیے سوسو کتابیں اور کبھی ہزاروں صفحات پڑھنے پڑتے ہیں۔ پھر محقق کو ان طویل اور وسیع مباحث کا خلاصہ تیار کرنا پڑتا ہے، اصل بات نکالنی پڑتی ہے، اور یہ تلخیص اور نتیجہ نکالنے کے لیے مستقل علمی اصول اور ضوابط ہیں، جنہیں اگر نہایت دقت سے نہ اپنایا جائے تو تحریف اور افتراء تک جاسکتے ہیں، اس لیے اس مہارت کے لیے الگ سے تربیت کی ضرورت ہے۔ واضح رہے کہ تلخیص اور اختصار ہر جگہ یکساں نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق ہے۔ عام طور پر ہم جو عمل کرتے ہیں وہ اختصار ہے، تلخیص اس سے زیادہ نازک اور اہم کام ہے۔ اختصار عموماً عبارت سے متعلق ہوتا ہے اور تلخیص عموماً معنی اور فقروں سے متعلق ہوتی ہے۔ تحقیقی کاموں میں اختصار کے بجائے تلخیص کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اس لیے تلخیص کی ابتدائی استعداد پہلے سے حاصل کرنا ضروری ہے۔

تلخیص کے ساتھ ہی متعلق ایک اور چیز ہے، یعنی کسی بھی ایک بحث کو پڑھنے کے بعد اس بحث کا نتیجہ کیا ہے؟ متکلم کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اس سے متعلق معنی اور نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ اس نوعیت کے امور کو سمجھنا۔ اس کے ذریعے تلخیص کا کام آسان ہوجاتا ہے، اور ساتھ ساتھ تحقیقی کاموں میں بھی بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

❸-مہارتِ نقد وتنقیح

علم کے ہر شعبے میں اختلافات ہیں، اور ان اختلافات کے پیچھے بہت سی وجوہات اور ضروریات ہیں۔ یہ اختلافات مختلف اقسام کے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان میں افراط وتفریط بھی شامل ہوتے ہیں۔ تخصص میں عموماً ان چیزوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، ایسی چیزوں میں بحث وتحقیقی کام کرنے کے لیے نقد اور تنقیح کی استعداد ضروری ہے، تاکہ ہر بات کو پرکھا جاسکے اور تحلیل وتجزیہ کیا جاسکے، باتوں کی تصدیق اور صدق وکذب کا جائزہ لیا جاسکے۔

ہمارے درسِ نظامی میں اختلافی مسائل کی بحث' ثانویہ کے مرحلے سے ہی شروع ہوجاتی ہے، اور باقاعدہ کئی جماعتوں میں اختلافی مسائل پر بحث وتحلیل کی جاتی ہے۔ اگرچہ ''فقه الخلاف'' کے اصول و ضوابط نہیں پڑھائے جاتے، لیکن کام شروع ہوجاتا ہے۔ نقد وتنقیح کی ابتدائی مہارت یہاں سے ہی شروع

ہو جاتی ہے، لیکن ''فقه الخلاف'' کے اصولوں اور ضوابط کو الگ سے پڑھنا اور مختلف مسائل میں ان کی تطبیق نہ کرنا، نقد وتنقیح کے سلسلے میں مطلوب مہارت حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے، حالانکہ نقد وتنقیح کی مہارت کے بغیر تخصص کا طالب علم بے بس اور عاجز ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ نقد اور تنقیح کے اپنے ہی اصول وضوابط ہیں، جنہیں الگ سے سیکھنا اور کچھ عملی تجربات کے ذریعے ان کی تطبیق کرنا ضروری ہے۔

❹- مہارتِ بحثِ علمی

ہم پہلے کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ تخصص کا اہم کام بحث وتحقیق ہے۔ اور ہر کام کے اپنے اصول اور ضوابط ہوتے ہیں، اصول کے مطابق کام کرنے سے ہی وہ پرفیکٹ اور مکمل ہوتا ہے۔ بحث وتحقیق ایک بہت نازک کام ہے، جس میں ذکاوت، محنت، وقت، معاون ماحول، اور باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بحث وتحقیق میں صرف حوالہ جات اور مواد جمع کرنا کام نہیں ہے، بلکہ اصل کام مواد جمع کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، پھر اس کے بعد مختلف مشکل مرحلے آتے ہیں جنہیں پار کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دونوں طریقے جاننا ضروری ہیں، اس لیے تخصص کے مرحلے سے پہلے ''منهج البحث'' معلوم ہونا اور اس پر کچھ تجربات تیار کرنا ضروری ہے۔ یہ تجربات تخصص کو اور زیادہ نتیجہ خیز بناتے ہیں۔

❺- تخصص کے اصول وخصوصیات کا علم

علم کے مختلف مراحل ہیں، جیسے ابتدائی، ثانویہ، عالیہ، اور تخصص کا مرحلہ، جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ہر مرحلے کی اپنی خصوصیات، اُصول، ضوابط، نظام، اور نصاب ہوتا ہے۔ مرحلہ عالیہ میں تعلیم کا معیار اور طریقے خاص ہوتے ہیں، اس مرحلے میں تعلیم کا نظام، اساتذہ، اور طلبہ کے لیے خصوصی نظم تشکیل دیا جاتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کیا ہے؟ اس مرحلے میں تعلیم کا معیار کیسا ہونا چاہیے؟ اس مرحلے میں ترقی کے لیے طلبہ میں کیسی استعداد ہونی چاہیے؟ اور اس مرحلے کو کارگر بنانے کے لیے کون سے کام کرنے چاہئیں؟ یہ سب ایک باشعور طالب علم کو جاننا چاہیے۔

ناظرہ سے لے کر دورہ حدیث اور تخصص تک کا مرحلہ مکمل کر لیتے ہیں، لیکن مذکورہ بالا چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے ہمارے اوقات اور ذہن ضائع ہو جاتے ہیں، لیکن علومِ عالیہ کو صحیح طور پر کام میں نہیں لا سکتے یا کام میں لانے کی صلاحیت تیار نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے عالیہ کے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے علومِ عالیہ کے بارے میں تفصیلی معلومات ضروری ہیں۔

یہ صلاحیت اور مہارت کس طرح حاصل کی جائے؟

تخصص سے پہلے ہی لازمی طور پر حاصل کی جانے والی مہارت کے حق میں بہت مختصر کچھ باتیں اوپر کی گئی ہیں، اُمید ہے کہ یہ بات واضح ہوچکی ہوگی کہ صرف درسیات کے ذریعے یہ مہارتیں حاصل کرنا ناممکن ہے، اس کے لیے اضافی محنت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ یہ مراحل حاصل کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں:

①- مرحلہ تخصص سے پہلے ہی یہ استعداد حاصل کرلینا

تخصص سے پہلے ہم فضیلت (منتہی درجہ) کے مرحلے کو پار کرتے ہیں۔ فضیلت کا مرحلہ دراصل مرحلہ عالیہ کا ایک حصہ ہے۔ اگر ہم اساتذہ کرام کے مشورے سے تیاری کرتے رہیں تو یہ سب سے بہتر ہوگا۔ اگر درسیات کے ساتھ ساتھ ممکن نہ ہو تو چھٹیوں کے اوقات کو غنیمت سمجھ کر ہم اپنے آپ کو تیار کر سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تخصص کی تیاری کے لیے اضافی بہت سی کتابوں کا مطالعہ لازمی نہیں ہے۔ درسیات میں پڑھی ہوئی کتابیں اور ان کے ساتھ منسلک کتابوں کے ذریعے بھی ہم تیاری کر سکتے ہیں۔ صرف صحیح طریقے سے پڑھنے اور اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

②- تخصص میں داخلہ لینے کے بعد تیاری کرنا

تخصص کے ابتدائی مہینوں میں مذکورہ موضوعات الگ سے پڑھانا اور سکھانا، اس کے بعد تخصص کے اصل کام میں داخل ہونا۔ اس طریقے سے ذہین اور محنتی طالب علم بہت زیادہ مستفید ہوسکیں گے اور اپنے حقیقی کاموں میں مہارت دکھا سکیں گے، اور تخصص کے اصل مقصد تک پہنچ سکیں گے۔ یہی طریقہ مختلف وجوہ سے آسان اور مفید ہے، مذکورہ بالا چیزوں میں مہارت الگ سے حاصل کرنے کے بجائے صرف مطلوبہ فن میں تمرینی محنت پر نچوڑنا ویسا مفید نہیں ہوتا، اگرچہ تمرین کے ذریعہ یہ مہارت حاصل کرنا ممکن ہے، لیکن یہ ہر ایک کے لیے آسان نہیں ہے۔ بہت سے ذہین طلبہ بھی تمرین اور مذاکرہ کرکے ہدف تک نہیں پہنچ پاتے۔ تمرین کے ذریعہ بحث ومباحثہ کی مہارت حاصل کرنے میں ہی دو سال گزر جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں تخصص کے اصل کام میں مشغول ہونے کی فرصت نہیں ملتی، نتیجتاً ذہین اور محنتی طالب علم ہونے کے باوجود بہت سے طلبہ اپنے اندر تحقیق کی خود اعتمادی پیدا نہیں کرپاتے اور طویل بحث وتحقیق کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کرپاتے، حالانکہ مذکورہ چیزیں اگر الگ سے حاصل کرلی جاتیں تو تخصص کے اصل مقصد تک پہنچنا آسان ہوجاتا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلف صالحین کی اللہ کے سامنے آہ و بکا

مولانا محمد راشد شفیع
فاضل جامعہ

اللہ تعالیٰ کو بندہ کا آنسو بہانا، ندامت کے ساتھ گریہ وزاری کرنا، خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی سے رونا بہت پسند ہے، یہ وہ آنسو ہیں جو دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں، روح کو پاکیزہ کرتے ہیں اور بندے کو اس کے رب سے قریب کر دیتے ہیں۔ یہ وہ کیفیت ہے جو ایک مؤمن کے دل میں اللہ کی عظمت، محبت اور خوف کی روشنی جگاتی ہے۔ آنکھوں سے بہنے والے یہ قطرے زمین پر گرنے سے پہلے عرشِ الٰہی تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ وہ لمحے ہیں جب انسان اپنی بے بسی اور کمزوری تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے۔

ان آنسوؤں میں دعاؤں کا درد اور توبہ کی سچائی چھپی ہوتی ہے۔ اللہ کے خوف سے بہنے والے یہ آنسو گناہوں کو دھو دیتے ہیں اور دل کو سکون بخشتے ہیں۔ سلف صالحین کے لیے یہ آنسو ان کے ایمان کی گہرائی کی علامت تھے۔ ان کی دعاؤں کی آواز اور گریہ کی شدت آج بھی ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اللہ کے قُرب کا راستہ خشیت اور عاجزی سے گزرتا ہے۔ یہ آہ و بکا ہمیں سکھاتی ہے کہ حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ دل نرم ہو اور آنکھیں اللہ کے ذکر سے تر رہیں۔

قرآن وحدیث میں آہ و بکا کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے مقرب بندوں کی یہ صفت ذکر کی ہے:

’’ایمان والے وہی ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے کانپ اُٹھتے ہیں۔‘‘ (الانفال:۲)

اسی طرح فرمایا:

’’اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور ان کا خشوع مزید بڑھ جاتا ہے۔‘‘

(الاسراء:۱۰۹)

رسول اللہ ﷺ نے رونے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

’’دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے جاگی۔‘‘ (جامع ترمذی، حدیث نمبر:۱۶۳۹)

سلفِ صالحین کی خشیتِ الٰہی اور گریہ

سلف صالحین کی زندگیوں میں خشیت الٰہی اور آہ و بکا نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کی زندگیاں ہمیں اللہ سے تعلق اور اپنی اصلاح کی جانب راغب کرتی ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو خشیت کی شدت سے رونے لگتے، یہاں تک کہ ان کی قراءت لوگوں کو سنائی نہ دیتی۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر:۳۹۳۷)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے رونے لگتے اور ان کے آنسوؤں کی وجہ سے چہرے پر نشان پڑ جاتے۔ آپؓ اکثر فرمایا کرتے:

’’اگر آسمان سے یہ آواز آتی کہ تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوائے ایک کے، تو مجھے ڈر ہوتا کہ وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔‘‘ (حلیۃ الاولیاء، جلد:۱، صفحہ:۵۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا: ’’آپ جنت و دوزخ کا ذکر سنتے ہیں، لیکن اس قدر نہیں روتے؟‘‘ آپؓ نے فرمایا:

’’قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، اگر انسان یہاں کامیاب ہو گیا تو آگے آسانی ہوگی۔‘‘

(سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۳۰۸)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ راتوں کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اتنا روتے کہ ان کے آنسو زمین پر گرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے: ''آہ! دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت کی کامیابی بڑی ہے، مگر اس کے لیے تیاری ضروری ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء، جلد:۱، صفحہ:۷۶)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اکثر قرآن پڑھتے اور اس کی آیات پر رونے لگتے۔ ایک بار کسی نے پوچھا: ''آپ اتنا کیوں روتے ہیں؟'' تو فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کردے۔'' (طبقات ابن سعد، جلد:۳، صفحہ:۲۵۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رات کو اُٹھ کر عبادت کرتے اور اللہ کے خوف سے اس قدر روتے کہ ان کے گھر والے بھی متاثر ہوتے۔ ان کی اہلیہ نے ایک بار کہا: ''آپ اس قدر کیوں روتے ہیں؟'' تو فرمایا: ''مجھے اپنی ذمہ داریوں کا حساب دینا ہے اور اللہ کی عدالت میں کھڑا ہونا ہے۔''

(سیَر اعلام النبلاء، جلد:۵، صفحہ:۱۲۰)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خشیتِ الٰہی میں مشہور تھے۔ جب آخرت کا ذکر ہوتا تو آپ پر رقت طاری ہوجاتی۔ ایک بار فرمایا: ''جو دل اللہ کے خوف سے نہ کانپے، وہ پتھر سے زیادہ سخت ہے۔''

(حلیۃ الاولیاء، جلد:۹، صفحہ:۱۶۲)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خشیتِ الٰہی میں رونے کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ایک بار فرمایا: ''رونا جہنم کی آگ بجھا دیتا ہے۔'' (ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، جلد:۳، صفحہ:۲۳۴)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رات کو اُٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے اور اتنا روتے کہ ان کے آنسو

زمین کو تر کر دیتے، وہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر رونے کی طاقت نہ ہو تو رونے کی کوشش کرو، شاید اللہ تم پر رحم کرے۔''

(حلیۃ الاولیاء، جلد:٦، صفحہ:٣٨٠)

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جب جہنم کا ذکر ہوتا تو بے ہوش ہو جاتے۔ لوگ انہیں ہوش میں لاتے، اور آپؒ فرماتے:

''یہ آگ انسان کو کیسے برداشت ہو سکتی ہے؟'' (صفۃ الصفوۃ، جلد:٣، صفحہ:١٨٧)

حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اللہ کے خوف سے رو رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: ''آپ کس چیز پر رو رہے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا:

''مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے کہے گا: تمہیں بہت نعمتیں دیں، لیکن تم نے ان کا شکر ادا نہ کیا۔''

(حلیۃ الاولیاء، جلد:٣، صفحہ:٢٣٤)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جب آخرت کا ذکر کرتے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''قیامت کے دن بندے کی سب سے بڑی کامیابی وہ ہوگی، جب اللہ اس سے خوش ہو جائے گا۔'' (تاریخ بغداد، جلد:٩، صفحہ:١٦٥)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب اللہ کے عذاب کی آیات سنتے تو گھنٹوں روتے رہتے۔ ایک بار فرمایا:

''جس دل میں اللہ کا خوف نہ ہو، وہ پتھر کے مانند ہے۔'' (صفۃ الصفوۃ، جلد:٢، صفحہ:٣٨٠)

سلفِ صالحین کے یہ واقعات ہمیں اللہ کے ساتھ تعلق، خشیت، اور آخرت کی تیاری کا درس دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ صفات و اعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذِ جامعہ

تأثرات، گزارشات (تیسری قسط)

معلم الانشاء کا طریقۂ تدریس

کسی بھی زبان کی انشاء سیکھنا سکھانا انتہائی مشکل کام ہے، پھر خصوصاً عربی انشاء ایک صبر آزما اور جفاکشی والا عمل ہے؛ کیونکہ نفس کو کتابت پر آمادہ کرنا ایک بھاری بوجھ ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی زبان کے بولنے کا انداز الگ اور لکھنے کا طرز الگ ہوتا ہے، ایک بات بولنے میں ایک طرز کی ہوتی ہے، اگر اسی طرز کو بعینہٖ باقی رکھ کر لکھا جائے تو عموماً وہ تحریر عمدہ شمار نہیں ہوتی، اسی وجہ سے اس کے اسلوب کو بدلنا ناگزیر ہوتا ہے، عربی انشاء پڑھانے اور سکھانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، اگر انہیں اپنایا جائے تو انشاء کی تعلیم کارگر ہوسکتی ہے، ورنہ معلم اور متعلم دونوں کا وقت خدانخواستہ ضائع ہوجاتا ہے۔

ہمارے نظامِ تعلیم کا المیہ یہ ہے کہ یہاں عربی انشاء پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی، اور انشاء پڑھانے والا استاذ کوئی فنی استاذ شمار نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ پھر استاذ بھی اس فن میں اپنی توانائی صرف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، لیکن اگر اس فن کو بحیثیت فن اور علم پڑھا اور پڑھایا جائے تو قوی اُمید ہے کہ اس سے مطلوبہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہاں کچھ اہم باتیں جن کا دورانِ تدریس تجربہ ہوا سپردِ قرطاس کی جاتی ہیں، شاید کسی انشاء سیکھنے سکھانے والے کو اس سے فائدہ ہوجائے۔

❶-فنِ انشاء میں مذکورہ کمزوریاں رہ جانے کی وجہ سے ذمہ داران حضرات اس بات کا خوب اہتمام کریں کہ انشاء کا سبق کسی ایسے ماہر استاذ کے سپرد کیا جائے جو اس فن میں مہارت یا کم از کم ذوق رکھتا ہو، اگر ایسا کوئی نہ ملے تو پھر وہ استاذ پڑھانے کے لیے مناسب ہے جو صرف ونحو میں مہارت رکھتا ہو اور وہ عام طور پر نحو کی بنیادی کتابیں پڑھانے والا ہو۔

❷ -معلم الإنشاء کی کتاب شروع کرنے سے پہلے استاذ طلبہ کو وہ الفاظ ومعانی یاد کرائے جو کتاب کے آخر میں بطورِ معاون کے لکھے گئے ہیں۔ یہ الفاظ ومعانی اس ترتیب سے یاد کرائے کہ روزانہ کے سبق کے ساتھ ایک صفحہ یاد کرنے کے لیے دیا کرے، ایک مرتبہ تمام الفاظ معانی ختم ہونے کے بعد دوسری مرتبہ دو دو یا تین تین صفحات یاد کرنے کے لیے دے، اس سے تمرینات حل کرنے میں فائدہ ہوگا اور ذخیرۂ الفاظ بھی جمع ہوگا۔

❸ - سال کے شروع سے تمام طلبہ کو ذاتی قاموس (ڈکشنری) رکھنے کا پابند بنایا جائے، تاکہ دورانِ سبق اس کی طرف مراجعت کر سکے۔ ایک عربی سے اردو والا قاموس، دوسرا اُردو سے عربی والا قاموس ضرور ہر طالب علم اپنے پاس رکھے، اور استاذ خود بھی دورانِ مطالعہ زیادہ اعتماد کسی بھی شرح پر کرنے کے بجائے قاموس رکھے اور اس پر ہی اعتماد کیا کرے۔

❹ - استاذ معلم الانشاء کا سبق خود بالاستیعاب تقریر کے انداز میں ہرگز نہ پڑھائے، جیسے دوسری کتابوں کی تقریریں کی جاتی ہیں، بلکہ روزانہ کا سبق طلبہ ہی سے اپنی موجودگی میں حل کرائے، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ طلبہ چونکہ الفاظ کے معانی یاد کر چکے ہوں گے (جیسے کہ پہلی ہدایت میں بیان ہوا)، صرف اسے ترتیب دینا باقی ہوگا، اور ہر طالب علم سے باری باری پہلے اسماء مفردات پوچھے جائیں، پھر افعال اور اس کے بعد اسی ترتیب پر جملے کی بناوٹ مکمل کیا کریں، اس طرزِ تدریس میں اگرچہ وقت زیادہ صرف ہوگا، مگر ضائع نہ ہوگا، اس سے طلبہ از خود اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کرنے کا طریقہ سیکھیں گے۔

❺ - روزانہ کی تمرین طلبہ سے حل کرانے کے بعد اسے لکھوانے کا اہتمام کرے، اور پھر اگلے دن لکھی ہوئی تمارین کی تصحیح کر لیا کریں، تمرین حل کرنے میں ہرگز کسی کے ساتھ نرمی نہ کی جائے، تاکہ لکھنے کی عادت پڑے، اور انہیں بقدرِ استطاعت عربی خط میں عبارات لکھنے کی تلقین کرے؛ تاکہ تحریر کی کمزوریاں اور اغلاط بھی درست ہوسکیں، اور تمام تمرینات تصحیح کے بعد چھٹی کے دن الگ کاپی میں نقل کر کے لکھوائیں۔

❻ - ہماری رائے میں انشاء کا گھنٹہ دوسرے گھنٹوں کی بنسبت دس پندرہ منٹ لمبا ہونا چاہیے، تاکہ انشاء پڑھانے والا استاذ روزانہ کے حساب سے کچھ وقت اسی گھنٹے میں کچھ وقت نکال کر عربی تکلم کے لیے خاص کر دے، اس سے طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔

❼ - استاذ کم از کم ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ کوئی قصہ یا کہانی اردو یا عربی میں سنا کر اس کا عربی یا اردو میں ترجمہ کرایا کرے، اور اس میں نئے الفاظ نکال کر جملے بنوائے، اس سے ان کو عربی میں گفتگو کا موقع مل سکے گا۔

❽ - پہلی سہ ماہی گزرنے کے بعد قصص کا سلسلہ ختم کر کے اس کی جگہ نصابی کتابوں میں سے ہر

کتاب سے ایک سوال بنا کر عربی میں لکھوایا جائے، اس کی وجہ سے کتابوں کے سبق میں پختگی پیدا ہوگی اور عربی تحریر کی مشق خوب سے خوب تر ہوگی۔

❾-استاذ عربی بول چال وتحریر کے تمام موضوعات پر گہری نظر رکھے، بالخصوص وہ موضوعات جو معلم الانشاء کی کتاب میں نہ ملیں، جیسے گھڑی کا وقت، اَرقام واَعداد کا استعمال، اس کو بھی پڑھانے کا اہتمام کرے، اس کے لیے دیگر کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے، مثلاً: الطريقة العصرية (الجزء الأول) سے الساعة کا سبق ایک دن پڑھائے، اَرقام واَعداد کا سبق الطريقة العصرية (الجزء الثاني) سے چند دن پڑھائے، الطريقة العصرية کا دوسرا حصہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، استاذ اگر مناسب سمجھے تو اس سے وقتاً فوقتاً سبق کی شکل میں پڑھالیا کرے۔

❿-حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے نحو میر یا علم النحو کے طریقۂ تدریس کے ذیل میں تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے، جس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''اساتذہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ علومِ اسلامیہ کی تحصیل کے لیے ٹھیک ٹھیک فہم، اس کا مکمل اجراء اور اس کے قواعد کا صحیح استعمال ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا نحو کی تعلیم پر آنے والے ہر علم وفن کی تحصیل موقوف ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور رہ جائے تو دورہ حدیث تک کی پوری تعلیم کمزور، بے اثر اور بے ثبات ہوجاتی ہے، اس لیے نحو کے استعمال کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ناگزیر اور لازمی ہے:

①: نحو کی تعلیم میں اصل مقصد کتاب کی عبارت یاد کرانا نہیں، بلکہ اس میں بیان کردہ قواعد ومسائل کا طالب علم کو اس طرح ذہن نشین کرانا ہے کہ متعلقہ موقع پر طالب علم کو وہ قاعدہ یا مسئلہ یاد آجائے۔

②: زیرِ درس کتاب میں عموماً کسی اصطلاح یا قاعدے کی تشریح کے لیے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا گیا ہوتا ہے، لیکن استاذ کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ ہر اصطلاح اور قاعدے کی تشریح کے لیے طلبہ کے سامنے از خود بہت سی مثالیں بیان کرے اور بہتر یہ ہے کہ یہ مثالیں عام گفتگو کے علاوہ قرآن کریم سے بھی اخذ کی جائیں، تاکہ قرآن کریم سے مناسبت پیدا ہوتی جائے، اس غرض کے لیے استاذ کو چاہیے کہ ''مفتاح القرآن'' کو مستقل مطالعہ میں رکھے۔

③: خود بہت سی مثالیں دینے کے بعد طلبہ سے مثالیں بنوانا اور مختلف مثالیں بول کر طلبہ سے ان کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے، یہ کام زبانی بھی ہونا چاہیے اور تحریری بھی۔

④: طالب علم جب بھی کوئی غلط جملہ بولے یا غلط پڑھے، اس کو فوراً ٹوک کر جملہ درست کرایا جائے، عام طور سے طلبہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنے، موصوف صفت اور مبتدا خبر میں مطابقت نہ

کرنے وغیرہ کی غلطیاں شروع سے جڑ پکڑ جاتی ہیں، ان غلطیوں کو کسی بھی قیمت پر گوارا نہ کیا جائے، بلکہ طالب علم سے اصلاح کرائی جائے، تاکہ شروع ہی سے ان غلطیوں سے احتراز کی عادت پڑ جائے۔

⑤: طلبہ کو ہر روز یا کم از کم تیسرے دن کوئی نہ کوئی مشق ضرور دی جائے، اور مشقوں کا طریقہ وضع کرنے کے لیے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ''عربی کا معلم''، ''معلم الإنشاء'' اور ''النحو الواضح للابتدائية'' کو اپنے مطالعے میں رکھے، اور جو بحث پڑھائی گئی ہے، اس کے متعلق ان کتابوں میں دی گئی مشقوں میں سے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے مشقیں منتخب کر کے طلبہ کو ان کے تحریری جواب کا پابند بنائے۔'' (درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟ ص:۱۱ تا ۱۴)

⑪- علاماتِ وقف وفواصل (قواعدِ املاء) اور ہمزہ کی درست کتابت کا خوب اہتمام کریں، اس کے لیے الطريقة العصرية (الجزء الأول) کا آخری سبق پڑھایا جائے، اس میں علاماتِ ترقیم انتہائی آسان انداز میں تحریر کیے گئے ہیں، اسے پڑھانے کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی عملی تطبیق واجراء کراتے رہیں، اس سلسلہ میں ہمزہ کے قواعد انتہائی اہم ہیں، جو مختلف کتبِ انشاء وتعبیر سے دیکھ کر پڑھائے جائیں۔

نفحة العرب کا طریقۂ تدریس

سبق کی تیاری

①- عربی زبان کی تعلیم کے لیے رائج جدید کتب اپنے مطالعہ میں رکھے؛ تاکہ استاذ کی معلومات اور ذخیرۂ الفاظ میں مسلسل اضافہ ہو، اس میں ہمارے استاذ (شیخ موسیٰ العراقی) کی ایک اہم کتاب ''لغة المسلم'' ہے جو روزمرہ عربی کے جملے اور عبارات سکھانے کے لیے عمدہ ترین کتاب ہے، ان کی دوسری کتاب ''العربية المعاصرة'' ہے جو درحقیقت ''لغة المسلم'' کا دوسرا حصہ ہے، تاہم اس وقت ''لغة المسلم'' کے مختلف نئے نسخے مختلف ناموں سے چھپے ہیں، اس کے علاوہ مفردات کے لیے ''القاموس المصور'' کے نام سے اچھا کام ہوا ہے، وہ بھی زیرِ مطالعہ رہے۔

②- استاذ خود کتاب فہمی کے ساتھ ساتھ دیگر عربی ادب کے قدیم وجدید شہ پارے مطالعہ میں رکھے، بطورِ خاص چند کتابوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں: مصر کے مشہور ادیب دکتور علی طنطاوی کی اکثر کتب مطالعہ میں رکھے، جیسے: مقالات في كلمات، نور وهداية، فصول إسلامية، فصول في الثقافة والأدب وغیرہ، احمد امین کی کتب جیسے: حياتي، عبدالرحمٰن رافت الباشا کی صور من حياة الصحابةؓ و صور من حياة التابعينؒ، منفلوطی کی کتب مطالعہ میں رکھیں، جیسے: نظرات، عبرات، علامہ ندویؒ کی کتب بطورِ خاص دیکھے، ان میں سے ''نظرات في الأدب، ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمين'' مطالعہ

میں رکھے، جبکہ ذخیرۂ الفاظ کے لیے ہمذانی کی ’’الألفاظ الكتابية‘‘ اور ثعالبی کی ’’فقه اللغة‘‘ کا مطالعہ کرے۔ ذخیرۂ الفاظ کے لیے ’’الألفاظ الكتابية للهمذاني‘‘ دیکھے، اسی طرح فقه اللغة للثعالبي اس سلسلے میں ایک عمدہ کتاب ہے۔

③- استاذ جدید کلمات کے معانی جاننے کے لیے معاجم اور قوامیس کا استعمال ضرور کرے، اور طلبہ کو بھی قاموس استعمال کرنے کا پابند بنایا جائے، اور ان کو قاموس سے اسماء و افعال تلاش کرنے کا طریقہ سمجھایا جائے، قوامیس میں بہتر یہ ہے کہ عربی سے عربی قاموس کا استعمال کیا جائے؛ کیونکہ اس سے عربی کا ترجمہ عربی سے کرنے اور سمجھنے کا سلیقہ پیدا ہوگا، اس کے لیے عمدہ ’’قاموس المعجم الوسیط‘‘ ہے جو عربی سے عربی کا ترجمہ کرتا ہے، یا عربی سے اردو قاموس استعمال میں رکھے، اس کے علاوہ ’’القاموس الوحید‘‘ اردو زبان میں عربی کا ایک عظیم معجم ہے جس میں لاکھوں عربی الفاظ کے معانی دیئے گئے ہیں۔

④- استاذ صاحب پہلے سے سبق کا گہرا مطالعہ کرے، اور اس کے نئے کلمات اور جملوں کو خوب ذہن نشین کرلے، عبارت کی پیچیدگی کی وجہ سے کہیں مشکل پیش آئے تو اردو شرح سے مدد لی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں کئی علماء نے نفحة العرب کی خدمت کی ہے، ان میں سے عمدہ عربی حاشیہ جو خود مصنفِ کتاب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اور کتاب کے ساتھ چھپا ہوا ہے، اس سے مشکل مقامات آسان ہوجاتے ہیں، اس کے علاوہ اردو میں کئی علماء نے اس کی شروح لکھی ہیں، ان سے بقدرِ ضرورت مدد لی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس پر کلی طور پر انحصار و اتکال نہ کرلیا جائے، چنانچہ اس کی جدید شرح جو مولانا مصلح الدین قاسمی صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے تصنیف کی ہے، اس سے کتاب کے مشکل مقامات حل ہوجاتے ہیں۔

کتاب کے اہداف و مقاصد

عموماً عربی کتابوں کی تدریس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان سے عربی الفاظ و تعبیرات اخذ کرکے ان سے اپنے ذخیرۂ الفاظ و تعبیرات میں اضافہ کیا جائے، اور ان سے کلام کا اسلوب اخذ کرلیا جائے، مذکورہ کتاب پہلے مقصد (ذخیرۂ الفاظ و تعبیرات) میں بڑی حد تک معاون ہے، لیکن دوسرے مقصد (اسلوب اخذ کرنے) میں زیادہ معاون نہیں۔ نفحة العرب کی نثر ادبِ عربی کے قدیم اُسلوب پر ہے؛ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب احادیث و سیر اور عربی ادب کی قدیم کتابوں کو سمجھنے میں ضرور معاون ہے، مگر جدید عربی ادب میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں دیتی، تاہم یہاں اس کی تدریس سے متعلق چند باتیں بیان کی جاتی ہیں:

❶- مفردات اور جملوں کی مشق

ہر نئے سبق میں آنے والے مفردات لکھوا کر یاد کرائے جائیں، اور جس طرح عربی الفاظ کے

متبادل اردو الفاظ سنے جائیں، اسی طرح اردو معانی کو پوچھ کر ان کے عربی الفاظ کو بھی سننے کا اہتمام کیا جائے، تاکہ انہیں جہاں عربی الفاظ کے اردو متبادل معلوم ہوں گے، وہیں اردو مفاہیم کے لیے عربی الفاظ بھی یاد ہوں گے؛ کیونکہ بولنے اور لکھنے کے لیے اردو کے متبادل عربی الفاظ کا بروقت یاد آنا نہایت ضروری ہے؛ اس کے بغیر نہ آپ عربی لکھ سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور ومعروف ادیب صاحبِ القاموس الوحید اور مصنفِ کتبِ کثیرہ حضرت مولانا وحید الزمان کیرانویؒ لکھتے ہیں: ''نیز عربی الفاظ کے معانی جیسے اردو میں یاد کرائے جائیں، اسی طرح اردو الفاظ کے عربی معنی بھی یاد کرائے جائیں، اس طرح زبان کے دونوں رخ سامنے رہیں گے اور تکلم وانشاء میں سہولت رہے گی۔'' (شرح القراءة الواضحة: ۱/۴)

❷ - کثرتِ قراءت وکتابت پر زور

تمام طلبہ سے روزانہ صحیح تلفظ اور خالص عربی لب ولہجے میں سبق کی جہری قراءت کرائی جائے، تعداد زیادہ ہو تو باری مقرر کرلی جائے، یا تھوڑی تھوڑی عبارت کئی طلبہ سے پڑھوائی جائے، مگر کسی کو عبارت پڑھنے سے مستثنیٰ نہ رکھا جائے، جو عبارت طلبہ کو استاذ کے سامنے پڑھنی ہے، طلبہ پہلے اسے کم از کم پانچ بار خارج میں صحیح تلفظ اور درست لہجے میں پڑھ کر آئیں، طلبہ کو یہ بھی تاکید کی جائے کہ عبارت سمجھ کر اور ذہن کو حاضر رکھ کر پڑھیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ الفاظ وتعبیرات ذہن نشین ہوسکیں۔

کثرتِ قراءت کے فوائد

ایک کتاب کو بار بار پڑھنے کے کئی فوائد ہیں، جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ: قراءةُ كتابٍ ثلاثَ مراتٍ خيرٌ من قراءةِ ثلاثةِ كُتُبٍ (ایک کتاب کو تین بار پڑھنا تین کتابیں پڑھنے سے بہتر ہے)، اس کے علاوہ کثرتِ قراءت کے بے شمار فوائد ہیں، ان میں سے چند یہاں قارئین کے فائدے کے لیے درج کیے جاتے ہیں:

① - پہلا فائدہ: ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہر زبان کا اپنا لب ولہجہ ہوتا ہے، اس لہجے کو سیکھے بغیر اس زبان پر کما حقہ دسترس حاصل نہیں ہوسکتی، یہی حال عربی زبان کا بھی ہے، چنانچہ طالب علم جب عربی عبارت کی عربی لب ولہجے میں قراءت کرے گا، تو رفتہ رفتہ وہ عربی لہجہ سیکھ جائے گا۔

② - دوسرا فائدہ: عربی قراءت سے زبان عربی نطق کی عادی بن جائے گی، اور اس سے عربی نطق میں سہولت رہے گی، بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ آدمی جب بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو ذہن میں صحیح لفظ آتا ہے، مگر بولتے ہوئے کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان عربی الفاظ کی ادائیگی کی عادی نہیں ہوتی، لہٰذا

کثرتِ قراءت سے زبان کو عربی نطق کا عادی بنانا ضروری ہے۔

③-تیسرا فائدہ: یہ فائدہ سب سے اہم ہے، وہ یہ کہ کثرتِ قراءت سے طالب علم کو مفردات کے ساتھ تعبیرات کا بھی بڑا حصہ یاد ہوجاتا ہے، اور لکھنے بولنے میں سب سے بنیادی کردار ذخیرۂ الفاظ وتعبیرات کا ہے۔

❸-نئی لغات لکھوانا

(الف) کتاب میں صرف نئی آنے والی لغات لکھوائی جائیں، اورانہیں یاد کرانے کے بعد سوالات بھی کیے جائیں، تاکہ آئندہ کے لیے پرانی لغات یادرہیں، اورآگے لغات لکھوانے اور یاد کرانے کا کام بھی مختصر رہے گا۔

(ب) نئے مفرد الفاظ کی جمع اور جمع کی مفرد بھی بتائی جائے، اور افعال میں ہر فعل کا باب بھی بتادیا جائے، نیز فعل کا وہ معنی بتایا جائے جو وہاں مراد ہو، جو معنی مراد نہ ہو وہ نہ لکھوایا جائے، تاکہ طالب علم پر اضافی بوجھ نہ پڑے، اور ''طلب الکل فوت الکل'' کا سبب نہ بنے۔

(ج) افعال کے صلات لکھوائے جائیں، جو افعال صلات کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، ان کے صلات لکھوانے اور یاد کرانے کا اس طرح التزام کیا جائے کہ جب طالب علم کے ذہن میں فعل آئے تو اپنے صلہ کے ساتھ آئے، بعض افعال کا استعمال صلات کے ساتھ ہوتا ہے، بعض کا بغیر صلات کے، ہر ہر فعل کے ساتھ یہ بتادیا جائے کہ اس کا استعمال صلہ کے ساتھ یا بغیر صلہ کے ہے، صلہ کی پہچان انتہائی ضروری ہے، کیونکہ صلہ بدلنے سے معنی کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔ مولانا وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''افعال کے ساتھ جہاں جو صلات استعمال ہوں، ان کو افعال کا ایسا جز لازم تصور کرایا جائے کہ جب طالب علم اس فعل کو زبان یا نوکِ قلم پر لائے تو معاً اس کا صلہ بھی ذہن میں آجائے۔'' (دلیل القراء الواضحۃ: ۱/۴)

❹-ترجمہ سکھانے کا طریقہ

فنِ انشاء کی طرح ترجمہ بھی ایک مستقل فن ہے، ان کتابوں سے جہاں طلبہ کو انشاء وادب سکھائی جاتی ہے، وہاں انہیں ان میں بتدریج معیاری ترجمہ کا سلیقہ بھی پیدا کرنا ہے، مولانا وحید الزمان کیرانویؒ نے تحریر فرمایا ہے: ''عام طور پر ہمارے مدارس میں جو ترجمہ کیا جاتا ہے، اس میں اس زبان کے قواعد ملحوظ رکھے جاتے ہیں جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے، حالانکہ ترجمہ کا مسلم اصول اس کے برعکس ہے، یعنی جس زبان میں ترجمہ کیا جائے اس کے قواعد ملحوظ رکھے جاتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ سلیس اور شگفتہ ہوجاتا ہے۔'' (شرح نفحۃ الادب: ۳)

عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں اُردو قواعد کی رعایت رکھنے کی چند مثالیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

①-عربی میں فعل عموماً پہلے آتا ہے، فاعل بعد میں آتا ہے، پھر مفعول اور متعلقات وغیرہ آتے

ہیں، جب کہ اردو میں سب سے پہلے فاعل، اس کے بعد مفعول اور متعلقات وغیرہ اس کے بعد آخر میں فعل آتا ہے، جیسے عربی میں آپ کہیں گے: رکب حامد الدراجة، اور اردو میں آپ کہیں گے: حامد سائیکل پر سوار ہوا۔ عربی جملے میں فعل شروع میں ہے، جبکہ اردو جملے میں بالکل اخیر میں ہے، اگر یہاں تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو اردو کے اسلوب کے خلاف ہو جائے گا۔

②- اسی طرح جب ہم افعال کا ترجمہ کرتے ہیں تو عربی فعل کا اردو متبادل لاتے ہیں، مگر عربی افعال کے جو صلات ہیں ہم ترجمہ کرتے ہوئے اردو میں ان کے متبادل نہیں لاتے، بلکہ اردو کا لحاظ کرتے ہیں، اگر وہ اردو میں وہ فعل صلہ نہیں چاہتا تو نہیں لاتے، مثلاً ہم عربی میں کہتے ہیں: ’’ذهب حامدٌ إلى السوق‘‘ اور اردو میں کہتے ہیں: ’’حامد بازار گیا‘‘ اردو فعل ’’گیا‘‘ صلہ نہیں چاہتا، اس لیے ہم اس کا لحاظ کرتے ہوئے صلہ نہیں لائے، اور اگر اردو کا فعل صلہ چاہتا ہے تو جو صلہ وہ چاہتا ہے وہی لاتے ہیں، عربی والے کا اردو متبادل نہیں لاتے، مثلاً: ہم عربی میں کہتے ہیں: ’’شَكَوْتُ إلى الأستاذ‘‘ مگر اردو میں ہم ’’إلى‘‘ کا متبادل ’’تک‘‘ لانے کے بجائے ’’سے‘‘ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ ہم کہتے ہیں: ’’میں نے استاذ سے شکایت کی‘‘ اسی طرح عربی میں ہم کہتے ہیں: ’’تَمَكَّنَ حَامدٌ مِنَ التدريس‘‘ مگر اردو میں ’’مِن‘‘ کا متبادل ’’سے‘‘ لانے کے بجائے ’’پر‘‘ لاتے ہیں اور کہتے ہیں: ’’حامد تدریس پر قادر ہو گیا‘‘ اس لیے کہ اردو فعل قادر ہونا ’’پر‘‘ کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

③- بعض مفاہیم عربی میں مجہول افعال سے ادا کیے جاتے ہیں، مگر اردو میں کئی مواقع پر فعل لازم معروف استعمال ہوتا ہے، مثلاً: عربی میں ہم کہتے ہیں: ’’فُتِحَ البابُ، أُغْلِقَ الدكانُ، وُضِعَ الأَسَاسُ، بِيْعَتِ الدارُ، أُغْمِيَ عليه‘‘ یہ سارے افعال عربی میں مجہول ہیں، مگر اردو میں ان مواقع پر فعل مجہول کے بجائے فعل لازم استعمال ہوتا ہے، چنانچہ ہم کہتے ہیں: ’’دروازہ کھلا، دوکان بند ہو گئی، بنیاد پڑی، گھر فروخت ہو گیا، وہ بے ہوش ہو گیا‘‘ ان مواقع پر اگر ہم اردو میں فعل لازم کے بجائے فعل مجہول استعمال کریں گے تو اردو بہت سی جگہوں اور محاوروں کی رو سے صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا جہاں ایسا موقع ہو وہاں ترجمہ عمل لازم سے کیا جائے، اور طلبہ کو بتایا جائے کہ یہاں عربی کے محاورے میں فعل مجہول استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ہم بھی ان مواقع پر عربی میں فعل مجہول استعمال کریں گے، اور اردو میں فعل لازم ہوتا ہے، لہٰذا اردو کا لحاظ کرتے ہوئے ہم بھی لازم استعمال کریں گے، نہ عربی کو اردو پر مسلط کریں گے اور نہ اردو کو عربی پر۔

④- اسی طرح آج کل سبب کو عربی میں فعل متعدی کا فاعل اور اس کے نتیجہ کو مفعول بہ بنا کر بکثرت استعمال کرتے ہیں، مگر اردو محاورے کی رعایت کرتے ہوئے ہم بہت سی دفعہ سبب کو فاعل اور وجہ بنا کر ہی ترجمہ کرتے ہیں، اس کی وجہ سے عربی کے فعل متعدی کو اردو میں لازم بنانا پڑتا ہے، جیسے:

''الازدحامُ اَوْقَفَ السَّیَّارَاتِ، غِیَابُ الولدِ عن البیت اَقْلَقَ الوالدۃَ، جَرَسُ الھاتفِ أزعَجَ المریضَ''، ہم اردو میں ان مفاہیم کو عموماً اس طرح ادا کرتے ہیں: ازدحام کی وجہ سے گاڑیاں رک گئیں، گھر میں بچے کی عدم موجودگی سے ماں پریشان ہوگئی، موبائل کی گھنٹی سے مریض کو اُلجھن ہونے لگی۔ اس کے برعکس اگر ان کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو اردو کے اسلوب اور قواعد کے خلاف لازم آئے گا، جیسے کہا جائے: رش نے گاڑیاں روک دیں، بچے کے گھر سے غائب ہونے نے ماں کو پریشان کردیا، موبائل کی گھنٹی نے مریض کو اُلجھن میں ڈال دیا، لہٰذا ترجمہ کا صحیح اسلوب یہ ہے کہ سبب اگرچہ یہاں فاعل اور نتیجہ مفعول بہ ہے، مگر ترجمہ میں اس کے برخلاف کرنا پڑے گا، جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہوا۔

⑤-اردو کے ظرف کو عربی میں بسا اوقات فعل کا فاصل بنا کر استعمال کرتے ہیں، ہم اردو ترجمہ میں اسے ظرف بنا کر ترجمہ کرتے ہیں جیسے: ''شَھِدَتْ فلسطینُ حربا دامیۃ فی ھٰذا الشھر، قال: ذٰلك تصریحٌ صادرٌ عن القنصلیۃ'' پہلے جملے میں ''فلسطین''، ''شھدت'' فعل کا فاعل ہے، اور دوسرے جملہ میں ''تصریح''، ''قال'' فعل کا فاعل ہے، مگر ترجمہ کرتے وقت ہم اسے ظرف بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس کا ترجمہ یوں ہوتا ہے: ''فلسطین میں اس ماہ خونریز جنگ ہوئی، سفارت خانے سے جاری بیان میں کہا گیا۔'' یہ ترجمہ میں اردو محاورے اور استعمال کی رعایت کے چند نمونے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ترجمہ میں زبانِ مترجم الیہ کی رعایت ضروری ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو ترجمہ اردو کے استعمال کے لحاظ سے غلط ہوجائے گا۔

⑥-نفحۃ العرب کی عبارت کافی پیچیدہ اور مشکل ہے، اس لیے جہاں طلبہ کے لیے سلیس اردو ترجمہ مشکل ہورہا ہو، وہاں پہلے لفظی ترجمہ سمجھایا جائے، پھر سلیس ترجمہ بتادیا جائے، اور اگر اس کے بعد بھی طلبہ کو سلیس ترجمہ میں دشواری ہو تو پھر جہاں جہاں دشواری ہو، وہاں لفظی ترجمہ ہی کرالیا جائے۔

⑦-نفحۃ العرب کی نثر عام طلبہ کی سطح سے بلند ہے، پھر انشاء وادب کی کتابوں میں جو منہجیّت اور تدریج ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ نثر کا معیار بلند ہوتا ہے، وہ بھی یہاں نہیں ہے، قدیم ادبی کتابوں سے مختلف اقتباسات اور تراشے تدریج کا لحاظ کیے بغیر جمع کردیے گئے ہیں، ان اسباب کی وجہ سے کتاب طلبہ کو مشکل معلوم ہوتی ہے، پھر نصاب بھی زیادہ ہے، لہٰذا استاذ کو چاہیے کہ اسے زیادہ وقت دے، کتاب توجہ سے پڑھائے اور اسباق کو سننے کا خصوصی اہتمام کرے، کتاب میں ذکر کردہ حکایتیں اور ان میں ذکر کردہ شخصیات بھی نامانوس ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے بھی طلبہ کو کتاب سے وحشت ہوتی ہے۔ استاذ کو چاہیے کہ سبق شروع کرنے سے پہلے اس میں ذکر کردہ حکایت یا لطیفے کو پہلے اپنی زبان میں بیان کردے، پھر سبق پڑھائے، ان شاء اللہ! اس سے اُنسیت بڑھے گی اور دلچسپی پیدا ہوگی۔ (جاری ہے)

کیا پاکستان اور سعودیہ میں الگ الگ لیلۃ القدر ہوگی؟

ادارہ

سوال

سنتے ہیں کہ ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کریں۔ اب ہمارا سوال یہ ہے: کیا سعودیہ میں علیحدہ لیلۃ القدر ہوگی؟ کیوں کہ وہاں کا اور ہمارا ایک دن کا فرق ہے اور پاکستان میں علیحدہ لیلۃ القدر ہوگی؟

جواب

جس طرح نمازوں کے اوقات، تہجد اور سحر و افطار وغیرہ میں ہر ملک کا اپنا وقت معتبر ہے، سعودی عرب میں نمازوں کے اوقات کو دیگر ممالک میں نمازوں کے لیے معیار قرار نہیں دیا جاسکتا، اور عید، روزہ اور قربانی میں بھی ہر ملک کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہے، اور عرفہ کے روزہ کے بارے میں بھی ہر ملک کی اپنی رؤیت معتبر ہے، اسی طرح لیلۃ القدر بھی ہر ملک کی اپنی تاریخ کے حساب سے ہوگی۔ بلادِ بعیدہ جن کے طلوع وغروب میں کافی فرق پایا جاتا ہے اور جن کی رؤیت ایک دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہے، ایسے ہر ملک والے اپنے اپنے ملک کی تاریخ کے حساب سے لیلۃ القدر کو تلاش کریں گے۔ فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144008201524 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانے کا حکم

سوال

روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کرواسکتے ہیں؟ مطلب اس سے روزے پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟

جواب

ڈائیلیسیز (خون کی صفائی) کروانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ گردے کی کمزوری وغیرہ اعذار کی بنا پر مشین کے ذریعہ خون کی صفائی کروانے سے کوئی چیز معتاد راستے سے جوفِ معدہ یا دماغ میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے روزہ کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانا جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144208201320 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

امتحان کی وجہ سے روزہ چھوڑنا، مسواک اور بلغم حلق میں اُتر جانا

سوال

❶ - کیا ایگزامز کی وجہ سے روزہ چھوڑا جاسکتا ہے؟ تیاری کرنے میں مشکل ہو، روزے کی وجہ سے اور گرمی میں آنے جانے کی وجہ سے حالت خراب ہونے کا خدشہ ہو تو روزہ چھوڑنے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

❷ - روزے کی حالت میں مسواک کرتے وقت اس کا ذائقہ حلق میں جاتا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

❸ - اگر بلغم گلے میں اُتر جائے اور باہر نکالنے کی کوشش کے باوجود وہ حلق سے نیچے اُتر جائے تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ براہِ کرم راہنمائی فرمادیجئے، جزاك الله خيرا كثيرا

جواب

❶ - صورتِ مسئولہ میں امتحان کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ روزہ رکھے اور روزہ کے ساتھ امتحان دے، اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی۔

❷ - واضح رہے کہ روزہ دار کے لیے روزہ کے دوران بھی مسواک کرنا جائز بلکہ سنت ہے، خواہ سوکھی مسواک ہو یا تازہ اُسی وقت کی توڑی ہوئی ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مسواک کا کڑواپن منہ میں معلوم ہوتا ہے یا اس کا تیز ذائقہ محسوس ہوتا ہے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

❸ - روزہ کے دوران اگر بلغم گلے میں خود ہی اُتر جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 7726/1439 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

کیا نفلی روزہ توڑنے سے قضا واجب ہوتی ہے؟

سوال

اگر کسی شخص نے شوال کا روزہ رکھا، پھر وہ ایسی جگہ گیا جہاں پہنچ کر پتا چلا کہ یہاں کھانے کی دعوت بھی ہے اور وہ اپنا روزہ توڑ دیتا ہے تو اب کیا حکم ہے؟ نفل عبادت کو شروع کرنے کے بعد بلا عذر توڑ سکتے ہیں؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں نفل روزہ شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے، ضرورت کے بغیر توڑنا جائز نہیں ہے۔ ہاں! اگر ضرورت پیش آجائے، جیسے کسی شخص نے شوال کا نفل روزہ رکھا ہوا ہے اور وہ ایسی جگہ جاتا ہے جہاں دعوت ہو اور صاحبِ دعوت کی طرف سے اس شخص کے دعوت نہ کھانے میں رنج اور صدمہ ہو تو اس وقت توڑنے کی گنجائش ہے، لیکن توڑنے کے بعد اس کی قضا رکھنا واجب ہوگا۔

کوئی بھی نفل نماز یا روزہ ہو، شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے، ضرورت کے بغیر توڑنا جائز نہیں ہے۔ ہاں! اگر ضرورت پیش آجائے، توڑنے کی گنجائش ہے، لیکن توڑنے کے بعد اس کی قضاء کرنا واجب ہوگا۔ سورۃ محمد کی آیت نمبر: ۳۳ کے ذیل میں مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ“

مسئلہ: ”تیسری صورت ابطالِ اعمال کی یہ بھی ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اس کو قصداً فاسد کر دے، مثلاً نفل نماز یا روزہ شروع کرے، پھر بغیر کسی عذر کے اس کو قصداً فاسد کر دے، یہ بھی اس آیت کے ذریعہ ناجائز قرار پایا۔ امام اعظمؒ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمالِ صالحہ ابتداءً فرض یا واجب نہیں تھے، مگر کسی نے ان کو شروع کر دیا تو اب اُن کی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہوگئی، تاکہ ابطالِ عمل کا مرتکب نہ ہو، اگر کسی نے ایسا عمل شروع کر کے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کر دیا تو وہ گناہ گار بھی ہوا اور اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔“

(معارف القرآن، ج:۸، ص:۴۸، ط: مکتبہ معارف القرآن)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 20088/1442   دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نَقدُ و نظَر

ادارہ

المنتخبات من جامع الترمذي

مفتی عبدالمجید چترالی۔ صفحات: ۵۲۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج، کوہاٹ روڈ، پشاور۔ برائے رابطہ: 0301-5936504

ترمذی شریف صحاحِ ستہ کی مشہور و معروف اور اہم کتاب ہے، جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے مدارس میں صحیح بخاری کے بعد جامع ترمذی کا درس بڑے اہتمام سے دیا جاتا ہے، نیز یہ کتاب فقہی احکام کی ترتیب پر ہونے کے باوصف غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ مؤلف محترم جو اپنے ادارے میں اس کتاب کے مدرس بھی ہیں، انہوں نے عوام وخواص کے لیے ترمذی شریف کی ان احادیث کا انتخاب کیا ہے، جو زیادہ تر فتنوں کی تفصیلات بیان کرتی ہیں، تاکہ دورِ حاضر کے مسلمان ان فتنوں سے آگاہ رہ کر اپنے ایمان کی حفاظت کا سامان کرسکیں۔ اندازِ بیان اور اسلوبِ تحریر عام فہم ہے۔ مساجد اور تعلیمی اداروں میں مختصر درسِ حدیث دینے کے لیے بھی یہ مجموعہ ان شاء اللہ! کارآمد اور مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو اس علمی و دینی خدمت پر اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین!

فکرِ امام شاہ ولی اللہؒ نمبر

(خصوصی اشاعت ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ)۔ صفحات: ۱۶۰۔ ناشر: ادارہ نشر و اشاعت، جامعہ نصرۃ العلوم، فاروق گنج، گوجرانوالہ۔ 0302-6693479

زیرِ نظر مقالہ کا عنوان: ''شرائع الٰہیہ اور انسانی تمدن کا باہمی تعلق؛ فکر شاہ ولی اللہؒ کی روشنی میں'' ہے، جو ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ نے اپنی جنوری و فروری ۲۰۲۵ء کی مشترکہ اور خصوصی اشاعت کے طور پر مرتب کیا ہے۔ مقالہ نگار مولانا محمد خزیمہ خان سواتی نے اپنے ایم فل کے مقالے کے لیے اس عنوان کا انتخاب

کیا۔ مقالہ نگار کو یہ ذوق اپنے دادا گرامی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی ؒ سے منتقل ہوا ہے، جنھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم وافکار کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگی تج دی، چنانچہ مقالہ نگار نے اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ مقالہ ترتیب دیا ہے، جو درج ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے: ۱- ''انسانی تمدن کا آغاز وارتقا اور اس میں بگاڑ کے اسباب''، ۲- ''شرائعِ الٰہیہ کی حقیقت اور ان میں اختلاف کے اسباب''، ۳- ''بعثتِ انبیاء کرام کے تمدنی مقاصد اور ان کا منہجِ اصلاح'' اور ۴- ''اسلامی تعلیمات کی تمدُّنی جہات''۔ ہر باب کے آخر میں اس کا خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ نیز ''اہم نکات ونتائجِ تحقیق'' کے عنوان سے پورے مقالے کا نچوڑ آخر میں شامل ہے۔ اس مقالے کو علمی وتحقیقی میدان میں سراہا جانا چاہیے۔

إمدادالكياسة بتقطيع ديوان الحماسة

شارح: مفتی اسداللہ۔ صفحات: ۲۸۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ تصنیف وتالیف دارالعلوم رحمانیہ (مسجد فردوس خان) مردان۔ برائے رابطہ: 0348-9017997

دینی مدارس میں ادبِ عربی کی اہمیت کے پیشِ نظر نثر ونظم کی کئی کتب مرحلہ وار شاملِ نصاب ہیں، جن کا مقصد طلبۂ مدارس میں عربی علوم وفنون کی استعداد پیدا کرنا اور اصل متون سے استفادہ کرنا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب میں درجہ سادسہ میں ''ديوان الحماسة'' پڑھائی جاتی ہے، جو علم العروض والقوافي کے اعتبار سے کسی قدر دقیق بھی ہے، طلبہ کے لیے عربی اشعار کی تقطیع کرنا مشکل امر ہے، چنانچہ سہولت اور آسانی کے لیے مؤلف موصوف نے ''ديوان الحماسة'' کے اشعار کی تقطیع اور اس کے قصائد وقوافی میں ''متن الكافي'' کے عملی اجراء کی مشق کرانے کے لیے زیرِ نظر شرح ترتیب دی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کاوش طلبۂ مدارس کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

مسجد اقصیٰ: (تعارف، تاریخ، فضائل، درپیش خطرات)

مولانا محمد اسلم معاویہ۔ صفحات: ۱۷۴۔ ناشر: جامعہ عبداللہؓ بن مسعود (جامع مسجد الحبیب) چاہ ملک والا، ڈیرہ اسماعیل خان۔ رابطہ نمبر: 0332-7246675

زیرِ تبصرہ تالیف' فلسطین، بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی اہم معلومات کا خزینہ ہے۔ فلسطین کا جغرافیائی حدودِ اربعہ، بیت المقدس کا حدودِ اربعہ، مسجد اقصیٰ کا حدودِ اربعہ کتاب کے ابتدائی مباحث ہیں، جن میں فلسطین کے مختلف نام، اہم شہر، بیت المقدس کا مقام، مشرقی، غربی، اہم مقبرے، مساجد اور بازار، مسجد اقصیٰ کے دروازے، گنبد ومینار، کنویں، چبوترے، تہہ خانے وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ اس سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اس عنوان پر خاصی منفرد حیثیت کی حامل ہے اور مؤلف نے کس قدر محنت سے معلوماتی مواد جمع کر دیا ہے۔

فضائلِ صحابہ (رضی اللہ عنہم)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔ ترجمہ: علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۱۳۱۔ ناشر: ادارہ تحقیقِ حق، صالح مسجد، جہانگیر پارک، صدر، کراچی

حضرت مؤلفؒ نے اہلِ تشیع کے مختلف فرقوں کی مختصر تفصیل اور صحابہ کرامؓ کے بارہ میں ان کے فاسد نظریات کے خلاصہ کا ردقرآن وسنت کی روشنی میں پیش فرمایا ہے۔ اصل رسالہ فارسی میں تھا، فاضل مترجم نے اس کا افادۂ عام کی غرض سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ رسالہ کی ثقاہت کے لیے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا نام کافی ہے۔

تاریخ الحرمین والقدس

مولانا عبدالرؤف مہر (شکارپور، سندھ)۔ صفحات: ۱۷۶۔ مکتبہ اصلاح وتبلیغ، مارکیٹ ٹاور، حیدرآباد۔ رابطہ نمبر: 022-2621622

بیت اللہ، مسجد نبوی، روضۂ اطہر علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ وغیرہ کی فضیلت اور تاریخ پر سندھی زبان میں مولانا عبدالرؤف مہر صاحب نے یہ کتاب مرتب کی ہے، جسے مخدوم ابوسجاد محمد صدیق مفتی نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ حرمین اور بیت المقدس کے ساتھ ہر مسلمان کا جو ایمانی رشتہ ہے، اس کا تقاضا ہے کہ وہ ان مقدس مقامات کی فضیلت اور تاریخ سے آگاہ ہو اور اپنی نسلوں میں یہ وراثت منتقل کرے۔ اسی جذبہ کے تحت مؤلف اور مترجم نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قابلِ قدر بنائے، آمین!

عظمتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور حضرت مدنی (رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۹۶۔ ناشر: مکتبہ خلفائے راشدینؓ، جامعہ عربیہ اظہارالاسلام، پنڈی روڈ، چکوال۔ رابطہ نمبر: 0331-8468887

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ اپنی تدریسی مصروفیات، تبلیغی اسفار اور سیاسی مشاغل کے ساتھ ساتھ عظمتِ صحابہؓ کے بھی منادی تھے۔ محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے بقول: ’’آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مولانا مودودی کی جانب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقیدی مضامین کا مواخذہ شروع کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ورفعت کی طرف توجہ دلائی۔‘‘ اس سلسلے میں آپؒ نے مختلف مضامین اور مکتوبات میں بھی کچھ ارشادات ضبط فرمائے تھے۔ زیرِنظر مختصر کتابچہ

انہی مضامین ومکتوبات میں سے آپ کے چند ملفوظات کا مجموعہ ہے، جو آپؒ نے عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر رقم فرمائے۔ اس مضمون میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں بھی اکابر علمائے کرام کے تبصرے نقل فرمادیے ہیں اور حضرت مدنیؒ کی جانب سے مولانا مودودی کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

نفس پرستی اور خیالی قوت، بچاؤ کی صورت

جناب محمد موسیٰ بھٹو۔ صفحات: ۱۱۳۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۴۰۰ بی، لطیف آباد، حیدرآباد۔

عہدِ حاضر میں جدید آلات کا استعمال عام ہونے سے آزاد فکری اور منتشر خیالات کا طوفان امڈ آیا ہے، جس کے باعث ہر انسان ایک نئی سوچ اور فکر رکھتا ہے۔ جدید آلات کا استعمال جہاں کسی حد تک مفید ہے، وہاں دوسری جانب اس کے نقصانات سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ پراگندہ خیالی سے خود کو محفوظ رکھنے اور اپنی خیالی قوت کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے صاحبِ کتاب نے وقت کے اہم موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، زیرِنظر کتاب انہی مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔

نحو میر کی شرح لنجاری کی شرح

مولانا محمد اسماعیل میمن۔ صفحات: ۱۲۸۔ ناشر: مکتبہ اصلاح وتبلیغ، مارکیٹ ٹاور، حیدرآباد۔ رابطہ نمبر: 022-2621622

''نحو میر'' کو درسِ نظامی میں علم نحو کی اساسی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے، جس سے کوئی طالب علم مستغنی نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کی خدمت کرتے ہوئے کئی اہلِ علم نے اس کی شروحات لکھی ہیں۔ زیرِتبصرہ کتاب یوں تو نحو میر کی شرح ہے، لیکن اپنے منفرد اسلوب کی بنا پر اسے علم نحو کی مستقل کتاب کہنا بے جا نہ ہوگا۔ طلبائے درسِ نظامی کو اس سے استفادہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

خلق افعال العباد (عربی)

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۱۴۴۔ ناشر: مدنی کتب خانہ، بفرزون کراچی۔ رابطہ نمبر: 0323-2945381

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ جہمیہ اور معطّلہ کے رد میں اور اس بات کے اثبات میں کہ بندے اپنے افعال کے خود انجام دہندہ ہوتے ہیں، یہ رسالہ تالیف فرمایا اور اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف مبرہن صورت

میں نکھار کر پیش کیا ہے، فجزاه الله أحسن الجزاء !

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت رخصتی

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی۔ صفحات: ۷۴۔ ناشر: مکتبہ ختم نبوت، گوجرانولہ، پاکستان۔ رابطہ نمبر: 0304-9677598

اسلام کے دورِ اول کے واقعات کو عہدِ حاضر کی عینک سے دیکھنا اور اپنے خود ساختہ اصولوں پر پرکھنا اہلِ مغرب کا پسندیدہ عمل ہے، جس کا مقصد دینِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اپنے انہی مذموم مقاصد کے تحت وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت کی عمر کو زیر بحث لاتے ہیں، جس کے جواب میں بعض مسلمان ان سے مرعوب ہوکر دفاعی انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اس مختصر کتابچہ کے مؤلف نے مرعوبانہ انداز اختیار کیے بغیر علمی متانت اور تحقیقی سنجیدگی کے ساتھ احادیثِ صحیحہ پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے اور اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔

خطباتِ بشیر فی سیرتِ سراج منیر (قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ)

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: حق چار یار رضی اللہ عنہم اکیڈمی، گجرات۔ برائے رابطہ: 0301-6223211

رواں سال سپریم کورٹ آف پاکستان سے ایک قادیانی ملزم مبارک ثانی کی ضمانت منظوری کا ایک فیصلہ جاری ہوا، جو قانونی نکتۂ نظر سے کمزور ہونے کے علاوہ سراسر خلافِ شریعت تھا۔ اس فیصلے سے یہ تأثر بن رہا تھا کہ قادیانیوں کو ان کی چار دیواری کے اندر اپنے خلافِ اسلام اور مخالفِ پاکستان عقائد ونظریات کی تشہیر کی اجازت دی جا رہی ہے، چناں چہ اس فیصلے کے خلاف ملک بھر میں تحریک چلی اور بالآخر چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے یہ فیصلہ واپس لے کر دوسرا فیصلہ جاری کیا، جس کے تحت قادیانیوں کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی قانون سازی کے تحت شعائرِ اسلام کے استعمال سے روک دیا گیا ہے۔ اس کی روداد قارئینِ بینات وقتاً فوقتاً ''بصائر وعبر'' کے صفحات پر ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب امام اہلِ سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے فرزند حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کے اُن پانچ خطباتِ جمعہ کا مجموعہ ہے جو آپ نے انہی دنوں سپریم کورٹ کے فیصلے پر اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمائے تھے۔ ان کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر انہیں اس مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیا گیا، جو بلاشبہ! تحفظِ ختمِ نبوت کی تاریخ کا ایک سنگِ میل ہے۔ اس کاوش پر مؤلف ومرتب شکریہ کے مستحق ہیں۔

❶-سیرت النبیؐ اور انسانی حقوق ❷-چند معاصر مذاہب کا تعارفی مطالعہ

❸-خلافتِ اسلامیہ اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد

❹-صہیونیت کا تاریخی پس منظر ❺-تبلیغی جماعت

❻-جاوید احمد غامدی کے چند منفرد افکار کا مختصر جائزہ

افادات، تحریرات و بیانات: مولانا زاہدالراشدی صاحب۔ ناشر: الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، گوجرانوالہ۔ رابطہ نمبر: 0304-9677598

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث اور معروف علمی وفکری شخصیت حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ہمہ جہت موضوعات پر اظہارِ خیال، تقریر وتحریر دونوں صورتوں میں کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی مختلف تحریروں اور بیانات کو موضوع وار ترتیب دے کر الگ الگ رسائل کی صورت میں شائع کیا گیا ہے، جن میں سے مندرجہ بالا نصف درجن کتابچے اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں:

❶-’’سیرۃ النبیؐ اور انسانی حقوق‘‘ (صفحات:۹۶)

اس کتابچہ میں مولانا موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں حقوق اللہ، حقوق العباد، معاشرتی اور معاشی حقوق، پڑوسیوں، مزدوروں، مسافروں، غیر مسلموں، افسروں، مہمانوں، قیدیوں اور غلاموں کے حقوق، اور دعوتِ اسلام کے ذیلی عنوانات قائم کر کے اپنے محاضرات کو تحریری صورت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ مختصر کتابچہ سیرۃ النبیؐ کی روشنی میں انسانی حقوق کا راستہ روشن کر کے دکھاتا ہے۔

❷-’’چند معاصر مذاہب کا تعارفی مطالعہ‘‘ (صفحات:۱۶۰)

یہودیت، عیسائیت، ہندومت، سکھ مت، بدھ مت، معروف مذاہب کے علاوہ ذکری، بہائی، نیشن آف اسلام اور قادیانیت جیسے منکرینِ ختم نبوت کے گروہوں کی تاریخ وتعارف پر مشتمل محاضرات ہیں، جو مولانا موصوف نے ’’تقابلِ ادیان‘‘ کے عنوان سے مختلف اداروں میں علمائے کرام وطلبۂ عزیز کے سامنے پیش کیے۔ یہ مختصر سا رسالہ اپنے قارئین کو بیش از قیمت مواد فراہم کرتا ہے۔

❸-’’خلافتِ اسلامیہ اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد‘‘ (صفحات:۱۸۳)

ان اخباری کالموں اور خطبات و بیانات کا مجموعہ ہے، جس کے پہلے حصے میں مولانا موصوف نے خلافتِ اسلامیہ کا تاریخی پس منظر، خلافت کا سیاسی نظام اور اس کے معیارات، رفاہی ریاست کا نظم وضبط اور

اس کی ذمہ داریاں سپردِ قلم کی ہیں۔ نیز خلافتِ راشدہ، بنوامیہ اور بنوعباس کے ادوار اور ترکی عثمانی سلطنت پر بھی روشنی ڈالی ہے، جب کہ کتاب کا دوسرا حصہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد کے تحت قیامِ پاکستان اور دستور سازی، مذہب اور ریاست کا باہمی تعلق، قادیانی مسئلہ، ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر، نفاذِ اسلام اور پارلیمان، نفاذِ اسلام اور عدلیہ، اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد کی داستان بیان کرتا ہے۔ کتاب کے مباحث دلچسپ اور اس عنوان پر کام کرنے والوں کے لیے راہنما ہیں۔

❹ - ''صہیونیت اور اسرائیل کا تاریخی پس منظر'' (صفحات: ۹۶)

مولانا موصوف کے ان محاضرات کا آئینہ ہے، جس میں یہودیت کے آغاز سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ، انبیائے بنی اسرائیل کی دعوتی و تبلیغی جدوجہد، بیت المقدس کی آبادکاری، بیت المقدس کا مسلمانوں کے زیرِ انتظام ہونا (واضح رہے کہ کتاب میں اس مقام پر ''بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ'' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، جو تبصرہ نگار کی نگاہ میں نامناسب ہے)، صہیونیت کی تحریک، فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ اور ناجائز ریاست اسرائیل کا قیام اور تب سے اب تک صہیونی مظالم اور آزادیِ فلسطین کی جدوجہد وغیرہ کی تصویر واضح ہوجاتی ہے۔ ہر مسلمان، علماء وعوام کے لیے یہ کتابچہ مفید ہے۔

❺ - ''تبلیغی جماعت'' (صفحات: ۱۶۶)

اس رسالے میں مؤلف محترم نے تبلیغی جماعت کی ابتدا سے لے کر اب تک کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ نیز اکابرینِ جماعت کے سبق آموز واقعات اور اجتماعات کی کارگزاری بیان کرنے کے بعد فضائلِ اعمال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اس مجموعہ کا مطالعہ کرنے والوں کی نگاہ میں تبلیغی جماعت کی افادیت دوچند ہوجائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

❻ - ''جناب جاوید احمد غامدی کے چند منفرد افکار کا مختصر جائزہ'' (صفحات: ۱۱۱)

متنازع مستغرب دانشور ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کے جمہور علمائے اسلام کے نظریات سے کٹے ہوئے افکار کا تنقیدی جائزہ ہے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب کو ان کے ایک صاحبزادہ کے مشرَّف بہ غامدیت ہونے کا بھی قصور وار سمجھا جاتا ہے، نیز مولانا کا تنقیدی اسلوب کافی نرم ہے، بایں ہمہ آپ کی یہ کاوش قابلِ قدر اور اس عنوان پر کام کرنے والوں کے لیے مفید خدمت ہے۔ خدا کرے کہ یہ نتیجہ خیز ثابت ہو اور اپنے مرکز سے دور نکل جانے والوں کو افسانوں میں بکھر جانے سے پہلے گھر واپسی کا راستہ دکھادے، آمین!

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....